دوسرا ایڈیشن

سیرت کے موضوع پر مختصر مگر جامع اور مستند کتاب

سیرت کے سنہرے نقوش

مرتب

مولانا و مفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ و افتا معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ

ناشر

مکتبہ دار ارقم نیپال

فیض پور عرف گھیورا، ضلع روتہٹ، نیپال

Mob: 8986305186

دوسرا ایڈیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت کے موضوع پر مختصر مگر جامع اور مستند کتاب

سیرت کے سنہرے نقوش

جس میں

مبادیاتِ سیرت، ولادت سے وفات تک کے احوال، غزوات کا مختصر تذکرہ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد، ازواجِ مطہرات اور آل واولاد کا مختصر تعارف مستند اور معتبر کتابوں کے حوالے سے دلکش اور سنہرے اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔

مرتب

مولانا ومفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ وافتا معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ

ناشر

مکتبہ دار ارقم نیپال

فیض پور عرف گھیوار ضلع روتہٹ، نیپال

Mob: 8986305186

تفصیلات

نام کتاب ـــــــ سیرت کے سنہرے نقوش

مرتب ـــــــ مولانا ومفتی رضوان نسیم قاسمی

استاذ فقہ وافتاء ـــــــ معہد الدراسات العلیا، ہارون نگر سیکٹر۔۱، پھلواری شریف پٹنہ

رابطہ نمبر ـــــــ انڈین نمبر:8986305186، نیپالی نمبر:9809191037

صفحات ـــــــ 104

باہتمام ـــــــ مولانا ومفتی محمد ریاض الدین صاحب قاسمی

بانی وناظم ـــــــ جامعہ امیر حمزہ، نظرا، بسیٹھا، ضلع مدھوبنی، بہار

ناشر ـــــــ مکتبۃ القاضی، مشتاق مارکیٹ، نزد امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

بیادگار ـــــــ فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمۃ

پہلا ایڈیشن ـــــــ جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ، فروری ۲۰۲۰ء

دوسرا ایڈیشن ـــــــ شوال المکرم ۱۴۴۳ھ، مئی ۲۰۲۲ء

ملنے کے پتے

مکتبہ دارارقم نیپال

فیض پور عرف گھیورا، ضلع روتہٹ، نیپال

Mob: 8986305186

فہرست مضامین

چوتھا باب

ہجرت سے وفات تک کے سنہرے نقوش

پانچواں باب

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور باندیاں

پہلی فصل: ازواج مطہرات کے سنہرے نقوش

انتساب

کائنات کی اس عظیم ہستی کے نام؛

جن کے لئے یہ بزم ہستی سجائی گئی، جن کے سر اقدس پر ختم نبوت کا تاج رکھا گیا، جنہیں سید الاولین والآخرین کے لقب سے نوازا گیا، جنہیں شافعِ محشر کا اعزاز عطا کیا گیا، جن کو ساقیِ کوثر کے منصب عظیم سے سرفراز کیا گیا، جن کو معراج کی رات سارے نبیوں کی امامت کا شرف حاصل ہوا، جن کی امت کو دنیا کی بہترین امت کہا گیا، جن کے نام کو اللہ تعالی نے اپنے نام کے ساتھ ہر جگہ ذکر کیا، یعنی مدنی تاجدار، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، کشتیِ ملت کے کھیون ہارے، کونین میں سب سے انوکھے سب سے نرالے، رب العالمین کے دلارے، عبدالمطلب کی آنکھوں کے تارے، دائی حلیمہ کے جگر پارے، عبداللہ کے لخت جگر، آمنہ کے نور نظر، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام، جن کی شفاعت کی امید میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

مقدمہ

ألحمد لله حمدا موافيا لنعمه، مكافيا لمزيده، والصلوة والسلام على سيدنا محمد و آله وصحبه و جنوده.

پیغمبر اسلام تمام انسانیت کے لئے نمونۂ کامل اور مشعلِ راہ ہیں؛ اسی لئے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کو "رحمۃ للعالمین" کا لقب دیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت میں سے ہر ایک امتی کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی ایسی محبت بسی ہوئی ہو جو تمام محبتوں سے فائق ہو، ایسی محبت ہو جو اس کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی ہو، ایسی محبت ہو کہ خدا کے بعد اس درجہ کی محبت میں کوئی شریک نہ ہو، ایسی محبت ہو جو اپنی ذات، اپنی اولاد اور اپنے ماں باپ سے بھی بڑھ کر ہو، ایسی محبت ہو جس میں وارفتگی، جاں نثاری، فدائیت اور خود سپردگی ہو، ایسی محبت ہو جس کا سایہ محبوب کے تمام متعلقین تک وسیع ہو، ایسی محبت ہو کہ اس کے لئے اپنی رگِ گلو کو کٹانا، اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کو نچھاور کرنا اور اپنی عزت و آبرو کو تختۂ دار پر چڑھانا آسان ہو لیکن کسی بھی قیمت پر اپنے آقا سے تعلق اور احترام و محبت سے محرومی گوارہ نہ ہو۔

اور بلا شک وشبہ اس درجہ کی محبت اور عظمت اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ کوئی شخص آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ نہ کرے؛ اس لئے کہ جب تک انسان کسی کی شخصیت، اس کی پاکیزہ حیات اور اس کے کردار کی عظمت سے واقف نہ ہو؛ نہ اس کے دل میں حقیقی معنوں میں اس شخص کی عظمت جاگزیں ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس کی سچی محبت پروان چڑھ سکتی ہے۔

سیرت کی تعریف

سیرت کے لغوی معنی کسی کام کا طریقہ، کسی کام کو اختیار کرنے کے انداز اور اسلوب کے ہیں، نیز عربی زبان میں کسی شخص کا طرزِ زندگی، اس کی خصلت و عادت اور اس کے کردار و اخلاق کے لئے بھی سیرت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، البتہ شریعت کی اصطلاح میں لفظ سیرت آپ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ خاص ہے، ابتدائی دور میں لفظ سیرت کا اطلاق آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل کے لئے کیا جاتا تھا جو آپ ﷺ نے غیر مسلموں سے معاملہ کرنے، غزوات اور صلح و معاہدات میں اپنایا تھا، بعد کے ادوار میں آپ ﷺ کی ولادت سے لیکر آپ ﷺ کی

وفات تک کے ان تمام امور پر لفظ سیرت کا اطلاق ہونے لگا جن کا تعلق آپ ﷺ کی ذات گرامی، صحابۂ کرام، اہل بیت اور آل عظام سے ہو۔ (محاضرات سیرت: ۱۶۔۲۰)

سیرت کے مصادر وماخذ

بنیادی طور پر سیرت کے تین ماخذ ہیں:

اول، کتاب اللہ:- چنانچہ معراج، ہجرت، غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ احزاب، صلح حدیبیہ، فتح مکہ، غزوۂ بنی قریظہ، کفار ومنافقین کا اسلام کے ساتھ سلوک، مسلمانوں اور یہودیوں کے روابط، مسجد ضِرار اور سیرت کے بہت سے اہم اور جزوی واقعات پر قرآن مجید کے بیان سے روشنی پڑتی ہے۔

دوسرے، احادیث:- یہ سیرت کا سب سے بڑا ماخذ ہے، چنانچہ خود محدثین بھی اپنی کتابوں میں مغازی کا مستقل باب قائم کرتے ہیں، جن میں مختلف واقعات نقل کیے جاتے ہیں اور اہل سیر انہیں کو تاریخی ترتیب سے مرتب کر دیتے ہیں۔

تیسرے، تاریخی روایات:- ان سے عموماً تاریخی پس منظر معلوم کرنے میں مدد لی جاتی ہے، مثلاً بعثت کے وقت عربوں کے حالات، روم و ایران اور دوسرے ممالک کا حال، مدینہ میں یہودیوں کی تاریخ، اسلام سے پہلے عربوں کے رسوم وعادات اور قبائل کے باہمی روابط وغیرہ۔ (مختصر سیرت نبوی: ۲۵)

سیرت کی تدوین

سیرت کی تدوین کس طرح ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کی تدوین ہی دراصل سیرت کی تدوین ہے اور تدوین حدیث کے موضوع پر اردو اور عربی میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے؛ اسی لئے علوم وفنون کی تاریخ لکھنے والوں نے تدوین سیرت پر علاحدہ سے نہیں لکھا ہے۔ (مختصر سیرت نبوی: ۲۵)

تفصیل کے لئے دیکھئے محاضرات سیرت، از ڈاکٹر محمود احمد غازی: ۱۳۵ تا ۱۸۱

سیرت کے مطالعہ کی ضرورت واہمیت

علامہ ابن القیمؒ سیرت کے مطالعہ کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”جب دونوں جہاں کی نیک بختی وسعادت آپ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت ورہنمائی پر مبنی ہے، تو جو شخص بھی نیک بختی وسعادت کا طلب گار ہو اور نجات کی خواہش رکھتا ہو؛ اس کے لئے واجب اور ضروری ہے کہ وہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت، آپ ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کے احوال سے باخبر ہو، تاکہ وہ جاہلوں کی جماعت سے نکل کر آپ ﷺ کے متبعین

اور آپ ﷺ کی جماعت میں داخل ہو جائے"۔(زاد المعاد:۱/۶۹،محاضرات سیرت:۲۸)

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مطالعۂ سیرت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:"الغرض! رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کے لئے،ایمان کی حفاظت کے لئے،مطلوبہ محبت واحترام سے اپنے دل و دماغ کو معمور رکھنے کی غرض سے اور اعداءِ اسلام کی فتنہ سامانیوں اور قلمی شرانگیزیوں سے بچنے کے لئے سیرت نبوی کا مطالعہ وقت کی نہایت ہی اہم ضرورت ہے جسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا،اس لئے مسلم نوجوانوں کو خاص کر سیرت کی کتابیں پڑھنی چاہئے اور مسلم انتظامیہ کے تحت قائم تعلیم گاہوں کے ذمہ داروں کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ وہ سیرت کی کوئی مناسب کتاب ضرور اپنے بچوں کو پڑھائیں"۔(پیام سیرت:۴۵)

سیرت کا موضوع

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی فرماتے ہیں:"سیرت کا موضوع ایک سدا بہار موضوع ہے جس کی رعنائی اور گل فشانی نہ ختم ہوئی ہے اور نہ قیامت تک ختم ہوگی،دل و دماغ کو مسخر کرنے والے خطیبوں کے لئے یہی جانِ خطابت ہے،نامور مصنفین کے ذوق تحقیق اور طرزِ نگارش کے لئے یہی اُوجِ کمال ہے،اسی لئے مشاہیر علماء میں شاید ہی کوئی عالم ہو جس نے براہ راست یا بالواسطہ پوری سیرت یا اس کے ایک حصہ کو اپنا موضوع سخن نہ بنایا ہو"۔(پیام سیرت:۴۱)

ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں:"علم سیرت ایک لامتناہی اور متلاطم سمندر ہے،علم سیرت محض ایک شخصیت کی سوانح عمری نہیں ہے،بلکہ یہ ایک تہذیب،ایک تمدن،ایک قوم،ایک ملت اور ایک الٰہی پیغام کے آغاز اور ارتقاء کی ایک انتہائی اہم اور دلچسپ مفید داستاں ہے۔(محاضرات سیرت:۱۵)

پیش نظر کتاب کی تالیف کا سبب

کسی مستشرق نے نہایت قیمتی بات کہی ہے کہ"رسول اکرم ﷺ کے سیرت نگاروں کی قطار اور فہرست اگرچہ بہت طویل ہے،مگر اس میں جگہ پانا خوش نصیبی کی بات ہے"۔(مختصر سیرت نبوی:۱۸)یہی وجہ ہے کہ سیرت نبوی ﷺ ہمیشہ سے اہل علم اور اصحاب فکر ونظر کا محبوب موضوع رہاہے،اور آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر جتنا کہا گیاہے اور جس قدر لکھا گیاہے کسی اور شخصیت یا مذہبی پیشوا پر اس کا ہزارواں حصہ بھی توجہ نہیں دی گئی ہے،اسی سعادت اور خوش نصیبی کو پانے کے لئے زیر نظر کتاب ترتیب دی گئی ہے۔

''سیرت کے سنہرے نقوش'' کی اہم خصوصیات

(۱) کتاب کے آغاز (مقدمہ) میں سیرت کی تعریف، سیرت کے بنیادی مصادر، سیرت کی تدوین، مطالعۂ سیرت کی اہمیت وضرورت اور موضوع سیرت کی حلاوت پر مختصر گفتگو کی گئی ہے (۲) آپ ﷺ کی مکی ومدنی زندگی کے مختصر حالات تحریر کئے گئے ہیں (۳) خانوادۂ رسول اکرم ﷺ میں سے ہر فرد کا مختصر تعارف ولدیت، تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے (۴) مشکل ناموں کے صحیح تلفظ کی صراحت کی گئی ہے (۵) تاریخ لکھتے وقت مقدور بھر صحیح اقوال لکھنے کا التزام کیا گیا ہے (۶) غزوات کے تذکرہ میں اس غزوہ کی تاریخ، جائے وقوع، غزوہ کا سبب اور نتیجہ، مسلم وغیر مسلم کی تعداد اور شہداء ومقتولین کی تعداد کی بھی صراحت کی گئی ہے (۷) ہر بات ایک سے زائد معتبر کتابوں کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے (۸) ایسی کوشش کی گئی ہے کہ مدارس ومکاتب کے سیرت مضمون میں یہ کتاب شاملِ نصاب ہو سکے اور سیرت سے متعلق اہم سوالات کے حل کے لیے جامع ومدلل مصدر وماخذ بن سکے۔

سیرت سے راقم الحروف کا قلبی تعلق

پیش نظر کتاب کی ترتیب کے دوران جن لمحات میں میری زبان آپ ﷺ کے تذکرہ سے تر رہتی تھی وہ لمحات میرے لئے بہت ہی قیمتی ہیں، وہ ساعات میں کیسے بھول سکتا ہوں جن میں میرا دل آقا ﷺ کی یاد میں دھڑکتا رہتا تھا، ان گھڑیوں کا لطف مجھے آج بھی یاد ہے جن میں میرا دماغ ہر وقت حبیب خدا ﷺ کے سنہرے نقوش کے بارے میں سوچتا رہتا تھا، ان شب وروز کو میں اپنی زندگی کی بیش قیمت ساعتیں سمجھتا ہوں جن میں میرا ہاتھ حضور اکرم ﷺ کے احوال لکھنے کے لئے جنبش کرتا رہتا تھا، اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ راقم الحروف کی اس قلبی کیفیت کو آخری سانس تک قائم رکھیں اور میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کرتے ہوئے اس کتاب کو قبولیت سے نوازیں، نیز قارئین سے گذارش ہے کہ اس کتاب میں اگر کوئی غلطی دیکھیں تو راقم الحروف کو ضرور مطلع فرمائیں۔

مفتی رضوان نسیم قاسمی (فیض پور، عرف گھورا، روتہٹ، نیپال)

استاذ فقہ وافتاء: معہد الدراسات العلیا، پھلواری شریف پٹنہ

انڈین نمبر: 8986305186 91+، نیپالی نمبر: 9809191037 977+

پہلا باب

رسول اکرم ﷺ اور خانوادۂ مطہرہ کا اجمالی تعارف

پہلی فصل: رسول اکرم ﷺ کا مختصر تعارف

رسول اکرم ﷺ کی ولادت

رسول اکرم ﷺ کی پیدائش مشہور قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاول، مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء سوموار کے دن صبح صادق کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے عرب کے مشہور شہر مکہ میں حضرت ابوطالب کے مکان میں ہوئی۔ (سیرۃ المصطفی: ۵۲/۱، تقویم عہد نبوی: ۱۲۲) تفصیل صفحہ ۱۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اکرم ﷺ کا اسم گرامی

رسول اکرم ﷺ کا نام محمد اور احمد ہے، محمد نام رسول اکرم ﷺ کے دادا نے رکھا اور احمد نام رسول اکرم ﷺ کی والدہ نے رکھا۔ (رحمۃ للعالمین: ۳۵۱/۲) تفصیل صفحہ ۱۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اکرم ﷺ کی بعثت

صحیح اور راجح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک جب ۴۰ سال کے قریب ہوئی تو آپ خلوت میں رہنے کو پسند کرنے لگے، جب مکمل ۴۰ سال کی عمر ہوئی تو ۱۲ ربیع الاول سوموار کے دن سے آپ ﷺ سچا خواب دیکھنے لگے، اور جب عمر مبارک ۴۰ سال ۶ ماہ ہوئی تو ۱۷ رمضان المبارک سوموار کے دن رسول اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ نبوت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ تفصیل صفحہ ۲۸۔۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(سبل الہدی والرشاد: ۲۲۵/۲۔۲۲۶، شرح الزرقانی: ۳۸۶/۱، ۳۹۱)

رسول اکرم ﷺ کا سفر ہجرت

رسول اکرم ﷺ نبوت کے تیرہویں سال ۵۳ سال کی عمر میں ۲۷ صفر المظفر روز جمعرات کو مکہ سے روانہ ہوئے، تین دنوں تک غار ثور میں قیام کیا، پھر ۱ ربیع الاول ۱۳ نبوی روز پیر کو آپ ﷺ غار ثور سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، سات دن سفر کرنے کے بعد آٹھویں روز ۸ ربیع الاول روز پیر کو قباء پہنچے، وہاں چار دنوں تک قیام کیا اور ۱۲ ربیع الاول روز جمعہ کو مدینہ

تشریف لے گئے، یہی اقوال صحیح ہیں۔تفصیل صفحہ۴۲۔۴۷پر ملاحظہ فرمائیں۔

(شرح الزرقانی:۲/۱۰۲،۱۵۰۔۱۵۴،سبل الہدی والرشاد:۳/۲۵۴۔۲۶۹،رحمۃ للعالمین:۱/۱۰۹،۱۱۰،سیرۃ المصطفی:۱/۳۸۵،عیون الاثر:۱/۳۱۱۔۳۱۴)

رسول اکرم ﷺ کی وفات

مشہور قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی وفات ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ،مطابق ۸/جون ۶۳۲ء پیر کے دن زوال کے وقت ۶۳/سال کی عمر میں ہوئی۔تفصیل صفحہ۷۴۔۷۵پر ملاحظہ فرمائیں۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۲/۳۰۵۔۳۰۸،طبقات ابن سعد:۲/۲۷۴،۳/۷،تقویم عہد نبوی:۱۲۲)

رسول اکرم ﷺ کی مکی و مدنی زندگی

رسول اکرم ﷺ مکہ میں ۵۳/سال اور مدینہ میں ۱۰/سال رہے،یہی قول صحیح ہے۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۲/۳۰۵،طبقات ابن سعد:۳/۷)

دوسری فصل: خانوادۂ مطہرہ کا مختصر تعارف

رسول اکرم ﷺ کے والد اور والدہ

رسول اکرم ﷺ کے والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام آمِنَہ ہے۔(ابن سعد:۱/۳۷،۴۱)

رسول اکرم ﷺ کے رضاعی والد اور والدہ

رسول اکرم ﷺ کے رضاعی والد کا نام حارِث بن عَبْدُ الْعُزّٰی ہے۔(الروض الانف:۱/۲۸۴)اور رضاعی والدہ دو ہیں:ان میں سے ایک کا نام ثُوَیبَہ اور دوسری کا نام حلیمہ ہے۔(سیرت النبی:۱/۱۳۷،رسول اکرم کی رضاعی مائیں:۱۶۸)تفصیل صفحہ۱۸/پر ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اکرم ﷺ کے دادا اور دادی

آپ ﷺ کے دادا کا اصل نام عامر بن ہاشم ہے جو عبد المُطَّلِب سے مشہور ہیں(تفصیل صفحہ۲۴/پر ملاحظہ فرمائیں)اور دادی کا نام فاطمہ بنت عمرو ہے۔(التلقیح لابن الجوزی:۱۶،طبقات ابن سعد:۱/۳۷،۴۶)

رسول اکرم ﷺ کے پردادا اور پردادی

آپ ﷺ کے پردادا کا اصل نام عمرو بن عبد مَناف ہے،لیکن وہ اپنے لقب"ہاشم"سے مشہور ہیں اور پردادی کا نام سلمٰی بنت عمرو ہے۔(طبقات ابن سعد:۱/۳۷،۴۶،رحمۃ للعالمین:۲/۳۲۹)

رسول اکرم ﷺ کے نانا اور نانی

رسول اکرم ﷺ کے نانا کا نام وَھْب بن عبدِ مَناف اور نانی کا نام بَرَّہ بنت عبدُ العُزّٰی ہے۔(طبقات ابن سعد:۱/۴۱)

رسول اکرم ﷺ کے پرنانا اور پرنانی

آپ ﷺ کے پرنانا کا نام مُغِیرَہ بن زُھْرَہ ہے جو عبدِ مَناف سے مشہور ہیں اور پرنانی کا نام أُمِّ حَبِیب بنت أسَد ہے۔(طبقات ابن سعد:۱/۴۱،سیرت ابن ہشام:۱/۱۲۷،رحمۃ للعالمین:۲/۳۴۲)

رسول اکرم ﷺ کا پدری سلسلۂ نسب

رسول اکرم ﷺ کا پدری سلسلۂ نسب یہ ہے:

مُحَمَّد بن عَبدُ الله بن عبد المُطَّلِب بن هاشِم بن عَبدِ مَناف بن قُصَیْ بن کِلاب بن مُرَّہ بن کَعْبْ بن لُؤیْ بن غالِب بن فِھْرْ بن مالِک بن أَلنَّضْرْبن کِنانَہ بن خُزَیْمَہْ بن مُدْرِکَہْ بن إِلْیاس بن مُضَرْ بن نِزارْ بن مَعَدْ بن عَدْنان. (سیرت ابن اسحاق:۱/۱۷)

رسول اکرم ﷺ کا مادری سلسلۂ نسب

رسول اکرم ﷺ کا مادری سلسلۂ نسب یہ ہے:

مُحَمَّدبن آمِنہ بنت وَھْب بن عَبدِ مَناف بن زُھرَہ بن کِلاب بن مُرَّہ بن کَعْبْ بن لُؤیْ بن غالِب بن فِھْرْ بن مالِک بن أَلنَّضْرْبن کِنانَہ بن خُزَیْمَہْ بن مُدْرِکَہْ بن إِلْیاس بن مُضَرْ بن نِزارْ بن مَعَدْ بن عَدْنان. (سیرت ابن ہشام:۱/۱۲۷)

رسول اکرم ﷺ کے حقیقی چچا

علی اختلاف الاقوال مشہور قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے حقیقی چچا دس تھے:

(۱) حارث (۲) زبیر (۳) حَجْلْ (۴) ضِرار (۵) مُقَوّم

(۶) ابولہب (۷) ابوطالب (۸) حضرت حمزہ (۹) حضرت عباس (۱۰) غَیداق

فائدہ: ابوطالب کا نام عبدمَناف، ابولہب کا نام عبدالعُزّٰی، مُقَوّم کا نام عبدالکعبہ، حَجل کا نام مغیرہ اور غَیداق کا نام نَوفَل ہے، ان میں سے صرف حضرت حمزہ اور حضرت عباس مسلمان ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ:۳/۱۸،الفصول فی سیرۃ الرسول:۳۴،رحمۃ للعالمین:۲/۳۴۱،سبل الہدی والرشاد:۱۱/۸۲)

رسول اکرم ﷺ کی حقیقی پھوپھیاں

رسول اکرم ﷺ کی حقیقی پھوپھیاں چھ تھیں جن کے نام یہ ہیں:
(۱) بَیضاء (ان کی کنیت اُم حکیم ہے) (۲) اُمَیمہ (۳) بَرَّہ (۴) صَفِیَّہ (۵) اَروٰی (۶) عاتِکَہ، ان میں سے صرف حضرت صفیہ، حضرت اروی اور حضرت عاتکہ مسلمان ہوئیں۔
(طبقات ابن سعد: ۴۱/۱۰-۴۶، الاستیعاب: ۸۶۹، سبل الہدی والرشاد: ۸۲/۱۱-۹۰)

رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات

رسول اکرم ﷺ کی وہ بیویاں جن سے آپ ﷺ نے خلوت فرمائی گیارہ تھیں جن کے نام یہ ہیں: (۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد (۲) حضرت سَودَہ بنت زَمعہ (۳) حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق (۴) حضرت حفصہ بنت عمر (۵) حضرت زینب بنت خُزَیمہ (۶) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۷) حضرت ام سلمہ بنت ابی اُمَیَّہ (۸) حضرت زینب بنت جَحْش (۹) حضرت جُوَیرِیہ بنت حارث (۱۰) حضرت صفِیّہ بنت حُیَیّ بن أخطب (۱۱) حضرت مَیمُونہ بنت حارث۔
تفصیل صفحہ ۷۶-۹۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔
(المواہب مع الزرقانی: ۳۵۹/۴، سبل الہدی والرشاد: ۱۴۳/۱۱، سیرت ابن ہشام: ۲۸۹/۴، البدایہ والنہایہ: ۴۱۴/۵)

رسول اکرم ﷺ کی باندیاں

مشہور قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی چار باندیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں (۱) حضرت ماریہ قِبطیّہ (۲) حضرت رَیحانہ (۳) حضرت نُفیسہ (۴) حضرت رَزِینہ۔ تفصیل صفحہ ۹۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔
(عیون الاثر: ۴۰۵/۲، المواہب مع الزرقانی: ۴۵۸/۴-۴۶۳)

رسول اکرم ﷺ کے صاحبزادگان

صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے صرف تین صاحبزادگان تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) حضرت قاسم (۲) حضرت عبداللہ (۳) حضرت ابراہیم، ان میں سے قاسم اور عبداللہ آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ کے بطن سے اور ابراہیم آپ ﷺ کی باندی حضرت ماریہ قِبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ تفصیل صفحہ ۹۳-۹۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔ (طبقات ابن سعد: ۶/۳، جمہرۃ انساب العرب: ۱۶، سبل الہدی والرشاد: ۱۶/۱۱، شرح الزرقانی: ۳۱۴/۴-۳۱۶، سیرۃ المصطفی: ۳۳۶/۳، سیرت النبی: ۱۱/۲)

رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادیاں

صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی صرف چار صاحبزادیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں (۱) سیدہ زینب (۲) سیدہ رُقَیَّہ (۳) سیدہ ام کلثوم (۴) سیدہ فاطمہ، یہ چاروں صاحبزادیاں رسول اکرم ﷺ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ تفصیل صفحہ ۹۵۔۹۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(المواہب مع الزرقانی: ۳۱۶/۴، عیون الاثر: ۳۷۸/۲، طبقات ابن سعد: ۶/۳، جمہرۃ انساب العرب: ۱۶)

رسول اکرم ﷺ کے نواسے

صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے پانچ نواسے تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) حضرت حَسَن بن علی (۲) حضرت حسین بن علی (۳) حضرت مُحَسِّن بن علی (۴) حضرت عبداللہ بن عثمان (۵) حضرت علی بن ابی العاص۔ تفصیل صفحہ ۹۸۔۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۳۱/۱۱، ۳۵، ۵۱، شرح الزرقانی: ۳۲۱/۴۔۳۳۹، جمہرۃ انساب العرب: ۱۵، ۱۶)

رسول اکرم ﷺ کی نواسیاں

صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی تین نواسیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں (۱) سیدہ اُمامہ بنت ابی العاص (۲) سیدہ ام کلثوم بنت علی (۳) سیدہ زینب بنت علی۔ تفصیل صفحہ ۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(المواہب مع الزرقانی: ۳۲۱/۴، ۳۳۹، سبل الہدیٰ والرشاد: ۳۱/۱۱، ۵۱، جمہرۃ انساب العرب: ۱۵، ۱۶)

رسول اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی

رسول اکرم ﷺ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اس لئے رسول اکرم ﷺ کا نہ تو کوئی حقیقی بھائی تھا اور نہ ہی کوئی حقیقی بہن تھی، البتہ صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی پانچ تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) حضرت مَسرُوح (۲) حضرت حمزہ (۳) حضرت ابوسَلَمہ (۴) حضرت عبداللہ بن حارث (۵) حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔

تفصیل صفحہ ۱۰۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: ۳۷۵/۱۔۳۸۰، طبقات ابن سعد: ۸۷/۱۔۹۰)

رسول اکرم ﷺ کی رضاعی بہنیں

رسول اکرم ﷺ کی رضاعی بہنیں دو تھیں: (۱) حضرت اُنیسہ بنت حارث (۲) حضرت شَیماء بنت حارث۔ تفصیل صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ (طبقات ابن سعد: ۹۰/۱، جمہرۃ انساب العرب: ۲۶۵)

دوسرا باب

ولادت سے نبوت تک کے سنہرے نقوش

رسول اکرم ﷺ کے والد محترم

رسول اکرم ﷺ کے والد محترم حضرت عبد اللہ اپنے والد حضرت عبد المطلب کو اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ پیارے تھے، آپ کو ذبیح ثانی بھی کہا جاتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ کے والد حضرت عبد المطلب نے زمزم کے کنویں کی کھدائی کا کام شروع کیا تو قریش نے ان کی سخت مخالفت کی اور ان کی مدد کرنے کے بجائے کھدائی سے ان کو روکنے کی خوب کوشش کی، اس وقت حضرت عبد المطلب کے پاس صرف ایک بیٹے حارث تھے جو آپ کے ساتھ کنویں کی کھدائی میں شریک رہتے تھے، اسی درمیان ایک دن حضرت عبد المطلب نے یہ منت مانی کہ ''اگر اللہ تعالی مجھے ایسے دس بیٹے عطا کریں گے جو جوان ہو کر میرا ساتھ دیں گے؟ تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو اللہ کے راستے میں قربان کروں گا''، اللہ تعالی نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو دس بیٹے عطا کر دیئے۔

جب حضرت عبد المطلب کے سارے بیٹے جوان ہو گئے تو انہوں نے اپنے تمام بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی منت کے سلسلہ میں ان سے مشورہ کیا، بیٹوں نے کہا کہ ہم سب اس کے لئے تیار ہیں، حضرت عبد المطلب نے قُرعہ اندازی کی تا کہ جس بیٹے کے نام قُرعہ نکلے اس بیٹے کو ذبح کر دے، چنانچہ قُرعہ حضرت عبد اللہ کے نام نکلا، حضرت عبد المطلب ان کو ذبح کرنے کے لئے قربان گاہ کی طرف لے گئے اور ان کو ذبح کرنے کی تیاری کرنے لگے، لیکن قریش بالخصوص حضرت عبد اللہ کے خاندان والوں نے حضرت عبد المطلب کو اس عمل سے روک دیا اور منت پوری کرنے کے سلسلہ میں کاہنوں سے مشورہ کرنے کی درخواست کی۔

بالآخر حضرت عبد المطلب مدینہ کی ایک مشہور کاہنہ کے پاس گئے اور اس سے مشورہ کیا، اس نے کہا کہ ایک طرف عبد اللہ اور دوسری طرف دس اونٹ رکھ کر قُرعہ اندازی کرو، اگر عبد اللہ کے نام کا قرعہ نکلے تو اونٹ والے قرعہ میں دس دس اونٹ کا اضافہ کرتے رہنا حتی کہ اونٹوں

کے نام کا قرعہ نکل جائے، حضرت عبد المطلب نے ایسا ہی کیا، جب سو اونٹ پورے ہو گئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا، اس کے بعد حضرت عبد المطلب نے سو اونٹ صفا و مروہ کے درمیان ذبح کر کے اپنی منت پوری کرلی، اس واقعہ کے بعد سے حضرت عبد اللہ کو ذبیح ثانی کہا جاتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۱۱۱، الروض الانف: ۱/۲۷۱، دلائل النبوۃ: ۱/۹۸، سیرت ابن ہشام: ۱/۱۷۴)

حضرت عبد اللہ کی شادی

جب حضرت عبد اللہ جوان ہو گئے تو حضرت عبد المطلب نے ان کی شادی بَنُو زُهْرَهْ قبیلہ کے سردار وَهْبْ بن عَبْدِ مَنافْ کی صاحبزادی حضرت آمِنَهْ سے کردی، اور اسی مجلس میں حضرت عبد المطلب نے اپنی شادی وَهْب کے بھائی وُهَيْبْ کی صاحبزادی هالَهْ سے کرلی، جن سے بعد میں حضرت حمزہ پیدا ہوئے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۲۶، طبقات ابن سعد: ۱/۷۵)

حضرت عبد اللہ کا انتقال

شادی کے چند دنوں کے بعد حضرت عبد اللہ تجارت کے لئے شام گئے، اس وقت حضرت آمِنَهْ امید (حمل) سے تھیں، شام جاتے وقت حضرت عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ سے کہا کہ واپسی میں مدینہ سے کھجوریں لیکر آنا، چنانچہ شام میں تجارت کرنے کے بعد حضرت عبد اللہ کھجوروں کے واسطے مدینہ چلے گئے، وہاں آپ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی اس لئے آپ مدینہ ہی میں اپنے ننھیال بَنُو عَدِی بن نَجّارْ کے یہاں ٹھہر گئے، کافی دنوں کے بعد بھی آپ کی طبیعت صحیح نہیں ہوئی اور وہیں آپ کا انتقال ہوگیا، آپ کے ننھیال والوں نے دَارُ النَّابِغَهْ میں آپ کو دفن کردیا، اس وقت حضرت عبد اللہ کی عمر ۲۵/سال تھی اور رسول اکرم ﷺ حمل کی حالت میں تھے، یہی قول صحیح ہے۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۷۹، سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۳۱، رحمۃ للعالمین: ۲/۳۵۰، عیون الاثر: ۱/۷۸)

رسول اکرم ﷺ کی ولادت

رسول اکرم ﷺ کی ولادت واقعۂ فیل کے ۵۰/یا ۵۵/دنوں کے بعد مشہور قول کے مطابق ۱۲/ربیع الاول، مطابق ۲۰/یا ۲۲/اپریل ۵۷۱ء سوموار کے دن صبح صادق کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے عرب کے مشہور شہر مکہ میں حضرت ابو طالب کے مکان میں ہوئی۔

(عیون الاثر: ۱/۷۹، سیرۃ المصطفی: ۱/۵۲، رحمۃ للعالمین: ۱/۶۹، تقویم عہد نبوی: ۱۲۲، سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۳۴)

تاریخِ ولادت پر ایک نظر

رسول اکرم ﷺ کی تاریخ ولادت کے متعلق علماء کا سخت اختلاف ہے: مشہور قول یہ ہے کہ آپ ﷺ ۱۲؍ربیع الاول کو پیدا ہوئے ،لیکن اکثر محدثین اور مؤرخین نے ۸؍ربیع الاول ،بعض نے ۲؍ربیع الاول اور بعض نے ۱۰؍ربیع الاول کو راجح قرار دیا ہے،اس کے علاوہ بھی مختلف اقوال ہیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھیں: سبل الہدی والرشاد: ۱؍۳۳۳-۳۳۸، المواہب مع الزرقانی: ۱؍۲۴۶، تلقیح فہوم اہل الاثر: ۱۴، عیون الاثر: ۱؍۹۷، طبقات ابن سعد: ۱؍۸۱)

علامہ محمود پاشا مصری کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تاریخ ولادت ۹؍ربیع الاول مطابق ۲۰؍اپریل ۵۷۱ء ہے۔ (سیرت النبی: ۱؍۱۴۷، تقویم عہد نبوی: ۱۲۲) لیکن قاضی سلیمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق تاریخ ولادت ۹؍ربیع الاول مطابق ۲۲؍اپریل ۵۷۱ء ہے۔ (رحمۃ للعالمین: ۱؍۶۹)

واقعۂ فیل کا مختصر قصہ

واقعۂ فیل کا مختصر قصہ یہ ہے کہ یمن کے بادشاہ أَبْـرَهَـه نے یمن کے دارالسلطنت "صَـنْـعَـاء" میں ایک گرجا گھر بنوایا تاکہ لوگوں کا رخ خانۂ کعبہ کے بجائے اس گرجا گھر کی طرف ہوجائے ،دھیرے دھیرے وہ اس مقصد میں کامیاب ہوتا جارہا تھا کہ اسی درمیان مکہ کے ایک شخص نے اس میں قضائے حاجت کردی، اَبْـرَهَـهْ کو اس فعل پر بہت غصہ آیا اور وہ بہت بڑی فوج لیکر خانۂ کعبہ پر حملہ کے لئے یمن سے مکہ کے لئے روانہ ہوا،لیکن اللہ تعالی نے ابابیل پرندہ کے ذریعہ اَبْـرَهَـهْ اور اس کے لشکر کو ہلاک و برباد کردیا،اسی مناسبت سے اس واقعہ کو "واقعۂ فیل، اس سال کو "عام الفیل" اور حملہ کرنے والوں کو "اصحاب الفیل" کہا جاتا ہے۔

(الروض الانف: ۱؍۱۲۴، دلائل النبوۃ: ۱؍۱۱۵، سبل الہدی والرشاد: ۱؍۲۱۴)

رسول اکرم ﷺ کا نام اور کنیت

رسول اکرم ﷺ کا نام محمد اور احمد ہے، محمد نام رسول اکرم ﷺ کے دادا عبد المطلب نے اور احمد نام رسول اکرم ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ نے رکھا ہے۔ (رحمۃ للعالمین: ۲؍۳۵۱)

رسول اکرم ﷺ کی مشہور کنیت ابو القاسم ہے، جو رسول اکرم ﷺ کے صاحبزادے

حضرت قاسم کی طرف منسوب ہے، نیز آپ ﷺ کو ابو ابراہیم اور ابو المؤمنین بھی کہا جاتا ہے۔
(دلائل النبوۃ: ۱/۱۶۲، سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۵۳۶)

فائدہ: محمد احمد یہ دونوں عربی نام ہیں جو "حَمْدٌ" سے مشتق ہیں، جس کے معنی تعریف کرنے کے آتے ہیں، محمد کا مطلب ہے جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے، چوں کہ کائنات میں سب سے زیادہ آپ ﷺ ہی کی تعریف بیان کی جاتی ہے اس لئے آپ ﷺ محمد ہیں، اور احمد کا مطلب ہے جو اللہ تعالی کی بہت زیادہ تعریف کرنے والا ہو، چوں کہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی حمد وثناء بیان کی ہے اس لئے آپ ﷺ احمد بھی ہیں۔
(الروض الانف: ۱/۲۸۰، زاد المعاد: ۱/۸۷)

رسول اکرم ﷺ کی رضاعی مائیں

مشہور اور صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی رضاعی مائیں دو ہیں (۱) حضرت ثُـوَیبَـہ (۲) حضرت حلیمہ، رسول اکرم ﷺ کو سب سے پہلے آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے سات دنوں تک دودھ پلایا، اس کے بعد چند دنوں تک حضرت ثوَیبہ نے دودھ پلایا، پھر مکمل دو سال تک حضرت حلیمہ نے ودھ پلایا۔

حضرت ثُـوَیبَـہ ابولہب کی آزاد کردہ باندی تھیں اور صحیح قول کے مطابق مسلمان ہوگئیں تھیں، ہجرت کے ساتویں سال ان کا انتقال ہوا، حضرت حلیمہ کے والد کا نام عبداللہ (کنیت ابو ذؤیب) بن حارث ہے اور ان کے شوہر کا نام حارث بن عبد العزی ہے، صحیح قول کے مطابق حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں مسلمان ہو گئے تھے، دونوں کی تاریخ وفات محفوظ نہیں ہے۔
(تفصیل کے لئے دیکھیں: سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۷۵، ۳۸۳، شرح الزرقانی: ۱/۲۵۸، الاصابہ: ۸/۶۱، رسول اکرم کی رضاعی مائیں: ۷۷، ۶۸ وغیرہ، سیرت النبی: ۱/۱۳۷، ۱۳۸، الاستیعاب: ۸۸۳)

رسول اکرم ﷺ حضرت حلیمہ کی آغوش میں

عرب کے معزز اور شریف گھرانوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پینے کے لئے آس پاس کے دیہاتوں میں بھیج دیا کرتے تھے، تاکہ دیہات کی صاف وشفاف آب وہوا میں ان کے بچوں کی جسمانی صحت اچھی ہو جائے اور ان کا بچہ خالص عربی زبان سیکھ سکے، انھیں

وجوہات کی وجہ سے حضرت آمنہ نے بھی آپ ﷺ کو حضرت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کردیا تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کی رضاعت کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:

میں طائف سے اپنے شوہر، اپنے دودھ پیتے بچے اور بنوسعد بن بکر کی دس عورتوں کے ساتھ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ کے لئے روانہ ہوئی، اس سال قحط کا زمانہ تھا، ہمارے پاس کھانے پینے کی کوئی بھی چیز نہیں تھی، سواری کے لئے ایک دبلی پتلی گدھی تھی جس کا حال یہ تھا کہ وہ اس قدر کمزور تھی کہ قافلہ والوں سے برابر پیچھے ہوجایا کرتی تھی، اس کی وجہ سے قافلہ والے ہم سے تنگ آچکے تھے، نیز ہمارے پاس ایک بوڑھی اونٹنی تھی جس سے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلتا تھا، ہم لوگ بھوک کی وجہ سے رات بھر نہیں سوتے تھے، اسی طرح ہمارا بچہ بھی رات بھر روتا اور بلکتا رہتا تھا؛ کیوں کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ نہیں ہوتا تھا جس سے میرا بچہ سیراب ہوسکے، بالآخر بہت مشکل سے یہ سفر طے ہوا اور ہم مکہ پہنچے۔

(شرح الزرقانی: ۱/۲۶۶، سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۸۶)

جب ہم مکہ پہنچے تو ہم میں سے ہر ایک عورت کے سامنے آپ ﷺ کو پیش کیا گیا، لیکن کوئی بھی عورت آپ ﷺ کو لینے کے لئے تیار نہ تھی، کیوں کہ ہم عورتیں یہ امید کرتی تھیں کہ بچہ کے والد ہمارے ساتھ انعام واکرام کا معاملہ کریں گے اور آپ ﷺ کے یتیم ہونے کی وجہ سے انعام واکرام کی امید نہیں کی جاسکتی تھی، الغرض! میرے قافلہ کی تمام عورتوں نے مالدار گھرانے کے بچوں کو لے لیا، صرف میں بچ گئی تھی جس کو بچہ نہیں مل سکا تھا، میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے خالی ہاتھ واپس لوٹتے ہوئے شرم آرہی ہے، اس لئے میں اس یتیم بچہ کو لینا چاہتی ہوں، میرے شوہر نے کہا کہ ٹھیک ہے، تم اسی یتیم بچہ کو لے لو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی اس بچہ کی بدولت ہمیں خیر وبرکت سے نواز دیں، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو لے لیا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۸۶، طبقات ابن سعد: ۱/۹۰، عیون الاثر: ۱/۹۲)

جب میں نے آپ ﷺ کو اپنی چھاتی سے لگایا تو میری چھاتی میں اس قدر دودھ اتر آیا کہ حضور اکرم ﷺ اور میرے دودھ پیتے بچے دونوں نے خوب شکم سیر ہوکر دودھ پیا، پھر

جب میرے شوہر اونٹنی کی طرف بڑھے تو اونٹنی سے بھی خوب دودھ نکلا حتی کہ ہم سب شکم سیر ہو گئے اور یہ رات بہت آرام کے ساتھ گذری، جب صبح ہوئی تو میرے شوہر نے مجھ سے کہا کہ اے حلیمہ! یقیناً تم نے ایک مبارک بچہ کو گود لیا ہے، میں نے کہا کہ ہاں مجھے بھی یہی امید ہے، اس کے بعد ہم طائف کے لئے روانہ ہو گئے۔

(شرح الزرقانی:۱/۲۷۰، سبل الہدی والرشاد:۱/۳۸۶، عیون الاثر:۱/۹۲)

جب ہم واپس ہونے لگے تو میری گدھی اس قدر تیز رفتار سے چلنے لگی کہ تمام قافلہ والوں کو پیچھے چھوڑ دیتی تھی، حتی کہ قافلہ کی عورتیں مجھ سے کہنے لگی کہ: اے ابوذویب کی بیٹی! ذرا آہستہ آہستہ چل، کیا یہ وہی گدھی نہیں ہے جس پر سوار ہو کر تم ہمارے ساتھ آئی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں! یہ وہی گدھی ہے، تو ان عورتوں نے کہا کہ آج تو اس کی عجیب شان ہے، بالآخر ہم اپنے گھر پہنچے، اللہ کی قسم! اس وقت سب سے زیادہ قحط زدہ ہمارا علاقہ تھا، جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قبیلہ والوں کی بکریاں چراگاہ جاتی تھیں لیکن ان میں سے کسی بھی شخص کی بکری کے تھن سے دودھ نہیں نکلتا تھا، اس کے برعکس آپ ﷺ کے طفیل میری بکری سے خوب دودھ نکلتا تھا، میرے قبیلہ والے اپنے چرواہوں سے کہا کرتے تھے کہ تم بھی اسی جگہ بکریاں چرایا کرو جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں لیکن اس کے باجود ان کی بکریوں سے دودھ نہیں نکلتا تھا۔

(شرح الزرقانی:۱/۲۷۲، سبل الہدی والرشاد:۱/۳۸۷، عیون الاثر:۱/۹۳)

ہم لوگ اسی طرح آپ ﷺ کے طفیل برکتوں سے فیض یاب ہوتے رہے حتی کہ آپ ﷺ کے دو سال مکمل ہو گئے اور میں آپ ﷺ کو لیکر آپ کی والدہ کے پاس مکہ گئی، میں آپ ﷺ کو اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتی تھی، نیز مکہ میں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی تھی اس لئے میں نے ضد کر کے حضرت آمنہ سے آپ ﷺ کو پھر سے اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش کا اظہار کر دیا، بالآخر میری ضد کی وجہ سے حضرت آمنہ تیار ہو گئیں اور ہم آپ ﷺ کو لیکر اپنے گھر آ گئے، کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے لگے۔ (شرح الزرقانی:۱/۲۷۹)

(تفصیل کے لئے دیکھئے: شرح الزرقانی:۱/۲۶۶، سیرت ابن ہشام:۱/۱۸۷، طبقات ابن سعد:۱/۹۰، سبل الہدی والرشاد:۱/۳۸۶، البدایہ والنہایہ:۳/۵۴، تاریخ طبری:۲/۱۵۸، الروض الانف:۱/۲۸۶)

رسول اکرم ﷺ کا شق صدر

حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے، ایک دن آپ ﷺ کا رضاعی بھائی (عبد اللہ بن حارث) دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا اور بولا کہ ہمارے قریشی بھائی کے پاس سفید کپڑا پہنے ہوئے دو آدمی آئے اور ہمارے بھائی کو زمین پر چت لٹا کر ان کے پیٹ کو چیر دیا ہے، میں ان کو اسی حال میں چھوڑ کر آیا ہوں۔

چنانچہ میں اپنے شوہر کے ساتھ دوڑتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس گئی، دیکھا کہ آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ ڈر اور خوف کی وجہ سے بدلا ہوا ہے، میں نے آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگالیا اور میرے شوہر نے آپ سے واقعہ کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سفید کپڑا پہنے ہوئے دو آدمی آئے تھے اور انھوں نے مجھے زمین پر لٹا کر میرے سینہ کو چیر کر اس میں سے کچھ نکالا، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا تھا، اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۸۸، شرح الزرقانی: ۱/۲۸۰، سیرت ابن ہشام: ۱/۱۸۹، عیون الاثر: ۱/۹۳)

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ اس واقعہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے، میرے شوہر نے مجھ سے کہا کہ اس بچہ کو واپس کر دو، کہیں اس پر شیطان کا اثر نہ ہو جائے، چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر دیا، انہوں نے کہا کہ تم تو اس بچہ کو بہت رغبت کے ساتھ لے گئی تھی اب اس قدر جلد واپس کرنے کی کیا وجہ ہے؟ ان کے اصرار کرنے پر میں نے ان کو پورا واقعہ سنا دیا، انہوں نے کہا کہ کیا تم اس کو شیطان کا اثر سمجھتی ہو؟ یقیناً شیطان اس بچہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے، میرے بچہ کی شان بہت نرالی ہے، جب یہ میرے پیٹ میں تھا تو مجھے دوسری حاملہ عورتوں کی طرح حمل کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی، میرا حمل مجھے بہت آسان لگتا تھا، اس کی ولادت کے وقت میں نے اپنے پیٹ سے ایک نور نکلتے ہوئے دیکھا، جس میں مجھے شام کے شہر "بُصْریٰ" کے محلات نظر آئے، جب یہ پیدا ہوا تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے اور آسمان کی طرف سر اٹھائے ہوا تھا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۸۸، شرح الزرقانی: ۱/۲۸۰، سیرت ابن ہشام: ۱/۱۸۹، الروض الانف: ۱/۲۸۸)

فائدہ: فرشتے برف یا زمزم کا پانی لیکر آئے تھے، سب سے پہلے انہوں نے سینہ چیر کر اس میں سے دل نکالا، پھر دل چیر کر اس میں سے خون کا جما ہوا ایک ٹکڑا نکالا اور کہا کہ اس حصہ میں شیطان وسوسہ ڈالتا ہے، پھر اس کو پھینک دیا اور دل کو اس پانی سے دھو دیا، اس کے بعد آپ ﷺ کے سینہ میں دل رکھ کر سینہ کو سی کر چلے گئے، شق صدر کا یہی مطلب ہے اور یہ آپ کی پوری زندگی میں چار مرتبہ ہوا تھا، واضح رہے کہ اس سلائی کا نشان آپ ﷺ کے سینہ پر وفات تک موجود رہا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۲/۶۰، سیرۃ المصطفی: ۱/۷۲، عیون الاثر: ۱/۹۴)

رسول اکرم ﷺ حضرت آمنہ کی آغوش میں

آپ ﷺ کی والدہ محترمہ کا نام آمِنَہ ہے جو بنوزہرہ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، یہ قبیلہ شرافت اور اعلی نسب میں سب سے ممتاز قبیلہ تھا، حضرت آمنہ وہاں کے سردار وَھْب بن عَبد مَناف کی صاحبزادی ہیں، جب آپ ﷺ چھ سال کے ہوگئے تو حضرت آمنہ آپ ﷺ اور أمّ أیْمَنْ کو لیکر اپنے شوہر عبداللہ کے قبر کی زیارت کے لئے مدینہ میں اپنے (یا اپنے شوہر کے) ناھیال بَنُو عَدِیْ بِنْ نَجّارْ کے یہاں گئی، ایک مہینہ تک آپ نے وہاں دارُ النَّابِغَہْ میں قیام کیا، واپسی میں مقام اَبواء میں حضرت آمنہ کا انتقال ہوگیا اور وہیں آپ کو دفن کر دیا گیا۔

(شرح الزرقانی: ۱/۳۰۸، سبل الہدی والرشاد: ۲/۱۲۰، رحمۃ للعالمین: ۲/۱۱۲، البدایہ والنہایہ: ۳/۶۳)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع سے جب آپ ﷺ اس مقام سے گزرے تو اپنی ماں کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور اس قدر زار وقطار سے رونے لگے کہ صحابۂ کرام بھی برداشت نہیں کر سکے اور ہم لوگ بھی رونے لگے، میں نے اس دن سے زیادہ آپ ﷺ کو کبھی بھی روتے ہوئے نہیں دیکھا، میں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری والدہ کی قبر ہے، میں نے اللہ تعالی سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی درخواست کی تو اللہ تعالی نے میری درخواست قبول کر لی، پھر میں نے اللہ تعالی سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو اللہ تعالی نے مجھے استغفار کرنے سے منع کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۶۴، دلائل النبوۃ: ۱/۱۸۹، شرح الزرقانی: ۱/۳۳۴)

فائدہ: مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے بدر سے کچھ پہلے دائیں طرف ایک راستہ جاتا ہے، عام راستے سے تقریبا ۲۰ ؍کلومیٹر دور آگے جاکر ایک چھوٹا سا شہر ابوا ہے، شہر سے تھوڑا پہلے ایک پہاڑی پہ سیدہ آمنہ کی قبر ہے۔ (نقوش پائے مصطفیٰ:۳۱)

رسول اکرم ﷺ حضرت عبد المطلب کی پرورش میں

حضرت آمنہ کے انتقال کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ سال تھی، ان کی وفات کے بعد دو سال تک آپ ﷺ کے دادا حضرت عبد المطلب نے آپ کی پرورش کی، حضرت عبد المطلب کے لئے خانۂ کعبہ کے پاس بستر بچھایا جاتا تھا، جس پر ان کے لڑکے سمیت دیگر کسی بھی شخص کو بیٹھنے کی اجازت اور ہمت نہیں تھی لیکن آپ ﷺ اس پر بلا تکلف بیٹھ جایا کرتے تھے، آپ ﷺ کے چچا جب آپ کو بستر سے ہٹانے کی کوشش کرتے تو حضرت عبد المطلب اپنے لڑکوں سے کہتے کہ ”میرے پوتے کو چھوڑ دو! میرے پوتے کی شان بہت نرالی ہوگی“ لیکن دادا کا ساتھ بھی زیادہ دنوں تک نہیں رہا، صحیح قول کے مطابق جب رسول اکرم ﷺ ۸ ؍سال کے ہوئے تو ۸۲ ؍سال کی عمر میں حضرت عبد المطلب کا ۵۷۹ ء میں انتقال ہوگیا، انتقال سے پہلے انھوں نے حضرت ابو طالب کو بلاکر ان کو حضور ﷺ کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تاکید کی۔

(سبل الہدی والرشاد:۲/ ۱۲۹، ۱۳۵، شرح الزرقانی:۱/ ۳۵۳، عیون الاثر:۱/ ۹۹، رحمۃ للعالمین:۲/ ۳۳۲)

حضرت عبد المطلب کا اصل نام اور ان کی صفات

آپ ﷺ کے دادا کا اصل نام عامر اور ان کی کنیت ابو الحارث ہے، پیدائش کے وقت ان کے سر کے چند بال سفید تھے، اس لئے ان کو شَیْبَہْ کہا جانے لگا، بعض مؤرخین کے بقول ان کا اصل نام شَیْبَۃُ الْحَمْد ہے، چوں کہ ان کی پرورش ان کے چچا مُطَّلِب نے کی تھی اس لئے ان کی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرت عامر کو عبد المطلب (مطلب کا غلام) کہا جاتا ہے۔

(المواہب مع الزرقانی:۱/ ۱۳۵، تلقیح فہوم اہل الاثر:۱۶، رحمۃ للعالمین:۲/ ۳۳۰)

حضرت عبد المطلب ستودہ صفات کے حامل تھے، چنانچہ آپ لوگوں کو ظلم کرنے، شراب پینے، زنا کرنے، بیت اللہ کا ننگے طواف کرنے، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے اور جن سے نکاح کرنا حرام

ہےان سے نکاح کرنے سے منع کرتے تھے،اسی طرح آپ لوگوں کو منت پوری کرنے اوراچھے اخلاق کی تاکید کرتے تھے، نیز حقیر کاموں اور پیشوں سے بچنے کے لئے کہتے تھے۔(سیرۃ المصطفی:۱/۴۱)

حضرت عبدالمطلب کی بیویاں

حضرت عبدالمطلب کی چھ بیویاں تھیں جن کے نام یہ ہیں:

(۱) صفیّہ بنت جُندُب (۲) فاطمہ بنت عمرو (۳) لُبنیٰ بنت ہاجر

(۴) ہالَہ بنت وُہَیب (۵) نُتَیلَہ بنت جَناب (۶)مُمَنَّعَۃ بنت عمرو

(سبل الہدی والرشاد:۱/۸۷، تلقیح فہوم اہل الاثر:۱۶، سیرت ابن ہشام:۱/۱۲۶)

رسول اکرم ﷺ حضرت ابوطالب کی کفالت میں

آپ ﷺ کے والد، والدہ اور دادا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی پرورش آپ کے چچا ابوطالب کرنے لگے، ابوطالب کا اصل نام عبد مَناف اور کنیت ابوطالب ہے، ابوطالب کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی اور اپنی اولاد کی طرح آپ ﷺ کو عزیز رکھتے تھے۔(شرح الزرقانی:۱/۳۵۴)

رسول اکرم ﷺ کے شام کا پہلا سفر

آپ ﷺ جب ۱۲/سال کے ہوئے تو آپ کے چچاابوطالب نے تجارت کے لئے شام جانے کا ارادہ کیا، مکہ سے روانہ ہوتے وقت انہوں نے آپ ﷺ کو غمگین دیکھا تو اپنے ساتھ لے گئے، جب ابوطالب کا قافلہ شام کے مشہورشہر بُصْریٰ پہنچا(جہاں ایک راہب رہتا تھا جس کولوگ بَحِیْرٰی کے نام سے جانتے تھےاوراصل نام سَرْجِسْ تھا) تووہ راہب اپنی عبادت گاہ سے نکل کر قافلہ کے پاس آیا(حالاں کہ اس سے پہلے وہ کبھی بھی اپنی عبادت گاہ سے نہیں نکلتا تھا اور نہ ہی آنے جانے والوں میں سے کسی سے باتیں کرتا تھا) پھراس نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں،لوگوں نے اس راہب سے پوچھا کہ آپ نے کیسے پہچان لیا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں؟ تو اس راہب نے کہا کہ جس وقت اس بچہ کا یہاں سے گذر ہوا تو درخت اور پتھر اس کو سجدہ کررہے تھے اور درخت اور پتھر صرف نبی کو سجدہ کرتے ہیں، نیز میں آپ ﷺ کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں،اس راہب نے یہ بھی کہا کہ جب تم آرہے تھے تو

بادل حضور اکرم ﷺ پر سایہ کئے ہوئے تھا اور جب یہ ایک درخت کے پاس بیٹھے تو اس کی ٹہنیاں ان کی طرف جھکی ہوئیں تھیں، پھر اس راہب نے قافلہ والوں کی دعوت کی اور آپ ﷺ سے بہت ساری باتیں کی، اس کے بعد اس نے ابو طالب سے کہا کہ آپ اس بچہ کی یہودیوں سے حفاظت کیجئے ورنہ وہ لوگ اس بچہ کو قتل کردیں گے، اس بچہ کی شان یقیناً بہت نرالی ہوگی، یہ سن کر ابو طالب نے آپ ﷺ کو وہاں سے ایک آدمی کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: شرح الزرقانی: ۱/۳۶۲، سیرت ابن اسحاق: ۱/۱۲۲، سیرت ابن ہشام: ۱/۲۰۴، الروض الانف: ۱/۳۱۴، سبل الہدی والرشاد: ۲/۱۴۰، البدایہ والنہایہ: ۳/۷۰، دلائل النبوۃ: ۲/۲۴، عیون الاثر: ۱/۱۰۵)

فائدہ: آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان پشت کی جانب کبوتر کے انڈے کے برابر ایک ابھرا ہوا گوشت تھا اسی کو مہر نبوت کہا جاتا ہے، مہر نبوت ولادت کے وقت ہی لگادی گئی تھی۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں: سبل الہدی والرشاد: ۲/۴۵، شرح الزرقانی: ۱/۲۹۰، سیرۃ المصطفی: ۱/۸۲)

رسول اکرم ﷺ کی پاکیزہ جوانی

آپ ﷺ اس حال میں جوان ہوئے کہ فرشتے بچپن میں جاہلیت کے افعال اور گناہ کے کاموں سے آپ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے حتی کہ آپ ﷺ بالغ ہوگئے، اس کے بعد آپ ﷺ کی پاکیزہ جوانی کے ایام اس طرح شروع ہوئے کہ آپ ﷺ اخلاق و مروت کے اعتبار سے قوم میں سب سے افضل تھے، اخلاق کے اعتبار سے ان میں سب سے اچھے تھے، میل جول اور قوم کے ساتھ رہن سہن کے اعتبار سے ان میں سب سے معزز تھے، پڑوسیوں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والے تھے، عیب کے کاموں سے آپ ﷺ دور رہتے تھے، سب سے سچے اور سب سے امانت دار تھے، لوگ آپ ﷺ کو سچا اور امانت دار کہکر پکارتے تھے۔

(سیرت ابن ہشام: ۱/۲۰۷، دلائل النبوۃ: ۲/۳۰، سبل الہدی والرشاد: ۲/۱۴۷)

فائدہ: آپ ﷺ جس طرح بچپن میں بکریاں چرایا کرتے تھے اسی طرح جوانی کے ایام میں بھی اجرت لیکر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جتنے بھی نبی آئے ہیں ان تمام نبیوں نے بکریاں چرائی ہیں“، نیز جوانی کے ایام میں آپ ﷺ تجارت بھی کیا کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن سائب فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تجارت میں

شریک رہتا تھا، آپ ﷺ بہت اچھے شریک تھے، نہ کسی بات کو ٹالتے تھے اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کرتے تھے۔ (سیرۃ المصطفی: ۱/۹۳، ۹۴، عیون الاثر: ۱/۱۱۲)

رسول اکرم ﷺ کے شام کا دوسرا سفر

رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک جب ۲۵ رسال کی ہوئی اور آپکی امانت داری، سچائی اور پاکیزگی کا چرچا دور دور تک ہونے لگا، تو مکہ کی ایک مالدار خاتون حضرت خدیجہ (جو اپنا مال دوسروں کو تجارت کے لئے فیصد پر دیا کرتی تھی، انہوں) نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ میرا مال لیکر تجارت کے لئے شام جایئے، میں آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ معاوضہ دوں گی، چنانچہ آپ ﷺ خدیجہ کا مال اور ان کے غلام مَیْسَرَہْ کے ساتھ شام کے لئے روانہ ہوئے، جب شام کے مشہور شہر "بُصرٰی" پہنچے تو ایک درخت کے سایہ میں آرام کرنے کے لئے آپ ﷺ بیٹھ گئے، وہاں نَسْطُوْرا نام کا ایک راہب رہتا تھا، اس نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ کے پاس آیا اور کہا کہ عیسیٰؑ کے بعد سے اب تک تمہارے علاوہ کوئی شخص بھی اس درخت کے نیچے نہیں بیٹھا ہے، پھر اس نے آپ ﷺ کی آنکھوں کی سرخی دیکھی اور مَیْسَرَہْ سے کہا کہ یہ آخری نبی ہیں، اس سفر میں حضرت خدیجہ کو عام تجارتی اُسفار کے مقابلہ میں بہت زیادہ نفع ہوا اور انھوں نے حضور ﷺ کو مقررہ اجرت سے زیادہ معاوضہ دیا، مَیْسَرَہْ کہتے ہیں کہ سفر کے دوران جب دھوپ کی شدت ہوتی تو میں دیکھتا کہ آپ ﷺ پر دو فرشتے سایہ کئے ہوئے ہیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: شرح الزرقانی: ۱/۳۷۰، سیرت ابن اسحاق: ۱/۱۲۸، سیرت ابن ہشام: ۱/۲۱۲، دلائل النبوۃ: ۲/۶۶، البدایہ والنہایہ: ۳/۸۶، الروض الانف: ۱/۳۲۲، سبل الہدی والرشاد: ۲/۱۵۸)

رسول اکرم ﷺ کی حضرت خدیجہ سے شادی

رسول اکرم ﷺ جب شام سے واپس آئے تو مَیْسَرَہْ نے حضرت خدیجہ کو سفر کے حالات اور واقعات کے بارے میں بتایا، حضرت خدیجہ نے ان باتوں کا اپنے چچازاد بھائی وَرَقَہْ بن نَوْفَلْ سے تذکرہ کیا جو ایک نصرانی عالم تھے، انھوں نے کہا کہ "اگر یہ واقعات سچے ہیں تو یقیناً محمد ہی آخری نبی ہیں"، یہ سن کر حضرت خدیجہ کے دل میں آپ ﷺ سے شادی کرنے کی رغبت

پیدا ہوئی، چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام دیا، آپ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے مشورہ سے نکاح کرلیا، حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کا نکاح پڑھایا، اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ ؍سال اور آپ ﷺ کی عمر ۲۵ ؍سال تھی۔

(سیرۃ المصطفی: ۱؍۱۰۷، سبل الہدی والرشاد: ۲؍۱۶۴، شرح الزرقانی: ۱؍۳۷۲، سیرت ابن اسحاق: ۱؍۱۲۹)

حجر اسود کے سلسلہ میں حکیمانہ فیصلہ

رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک جب ۳۵ ؍سال کی ہوئی تو قریش خانۂ کعبہ کی نئی تعمیر کے لئے جمع ہوئے اور مشورہ سے درج ذیل باتیں طے ہوئیں (۱) خانۂ کعبہ کمزور اور بوسیدہ ہوگیا ہے اس لئے اس کی جدید تعمیر کی جائے (۲) اس کی تعمیر میں حرام کمائی کا ایک پیسہ بھی نہیں لگایا جائے (۳) خانۂ کعبہ کے مختلف حصوں کی تعمیر کو مختلف قبیلوں کے درمیان تقسیم کردی جائے، بالآخر تعمیری کام شروع ہوا اور حجر اسود تک دیوار کی تعمیر ہوگئی، اس کے بعد حجر اسود کو اس کی اصل جگہ پر رکھنے کے سلسلہ میں ان لوگوں کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہوگیا، ہر قبیلہ والا یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کی سعادت اسے حاصل ہو اس لئے معاملہ قتل وقتال تک پہنچ گیا، اخیر میں أَبُو أُمَیَّۃْ بِن مُغِیْرَہْ نے یہ مشورہ دیا کہ ''کل صبح کے وقت بنوشَیبہ کے دروازے سے سب سے پہلے جو شخص اس مسجد میں آئے گا اس کو فیصلہ کرنے کے لئے کہا جائے گا اور ہم سب اس کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے''، سبھوں نے اس تجویز کو قبول کیا اور اپنے اپنے گھر چلے گئے، دوسرے دن سب سے پہلے آپ ﷺ اس دروازے سے مسجد میں داخل ہوئے، جب وہ لوگ آئے اور انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ محمد امانت دار ہیں، ہم اس کے فیصلہ پر راضی ہیں، اس اتفاق کے بعد آپ ﷺ نے ایک چادر بچھائی اور اس پر حجر اسود کو رکھ دیا، پھر آپ ﷺ نے ہر قبیلہ والوں کے سردار کو چادر پکڑنے اور اس کو اوپر اٹھانے کا حکم دیا، یہاں تک کہ جب لوگوں نے حجر اسود کی جگہ تک چادر اٹھادی تو آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا اور اس حکیمانہ فیصلہ کی وجہ سے ایک بہت بڑی لڑائی ختم ہوگئی۔

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: طبقات ابن سعد: ۱؍۱۲۰، ۱۲۲، سبل الہدی والرشاد: ۲؍۱۶۹، البدایہ والنہایہ: ۳؍۹۷-۱۰۳، سیرت ابن اسحاق: ۱؍۱۵۰، سیرت ابن ہشام: ۲۱۸-۲۲۳، الروض الانف: ۱؍۳۳۶)

رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا مختصر قصہ

رسول اکرم ﷺ کا خلوت نشینی کو پسند کرنا

رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک جب ۴۰ رسال کے قریب ہوئی تو آپ ﷺ تنہائی کو پسند فرمانے لگے، مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس کا نام ''جبل نور'' ہے، اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار ہے جو''غار حراء'' کے نام سے مشہور ہے، رسول اکرم ﷺ کھانے پینے کی کچھ چیزوں کے ساتھ اس غار میں تشریف لے جاتے، کئی کئی دنوں تک وہاں قیام کرتے اور اس دوران ہر وقت غور وفکر اور اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے، پھر جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہوجاتیں تو آپ ﷺ واپس تشریف لے آتے اور توشہ لیکر پھر غار حراء تشریف لے جاتے۔

(پیام سیرت:۲۷، البدایہ والنہایہ:۳/۱۸۷، شرح الزرقانی:۱/۳۹۲، طبقات ابن سعد:۱/۱۶۴، سیرت النبی:۱/۱۵۵)

رسول اکرم ﷺ کا سچا خواب دیکھنا

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک ۴۰ رسال کی ہوئی تو ربیع الاول کے مہینہ سے آپ ﷺ سچا خواب دیکھنے لگے، یعنی خواب میں جو چیز دیکھتے تھے صبح میں وہ پورا ہوجاتا تھا، یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا، ۶ رماہ کے بعد رمضان کے مبارک مہینہ میں آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ (سبل الہدی والرشاد:۲/۲۲۵۔۲۲۶، شرح الزرقانی:۱/۳۸۵، ۳۹۲) جس کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

رسول اکرم ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل کا تشریف لانا

آپ ﷺ غارِ حراء میں عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک حضرت جبرئیلؑ آپ ﷺ کے پاس ایک ریشمی رومال لیکر آئے، جس پر سورۂ علق کی درج ذیل ابتدائی پانچ آیتیں لکھی ہوئیں تھیں: ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقْ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقْ، اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمْ، اَلَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مالَمْ يَعْلَمْ.﴾ (سورة العلق) ترجمہ: اپنے رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا، جس نے جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ حضرت جبرئیل نے آپ ﷺ کو وہ رومال دکھایا اور کہا کہ اس کو پڑھئے، آپ ﷺ نے فرمایا: مَا أنا بِقَارِیءٍ (میں نہیں پڑھ سکتا) یہ جواب سن کر حضرت جبرئیل نے آپ ﷺ کو اپنے

سینے سے لگایا اور پوری قوت کے ساتھ آپ کو دبایا اور کہا پڑھیے، اس بار بھی آپ ﷺ نے وہی جواب دیا، تیسری بار حضرت جبرئیل نے پھر پوری وقت کے ساتھ آپ ﷺ کو دبایا اور مذکورہ بالا آیات پڑھ کر سنائیں، پھر آپ ﷺ کو پڑھنے کے لئے کہا، اس بار آپ ﷺ نے ان آیات کو پڑھ دیا اور اس کے بعد حضرت جبرئیل آپ ﷺ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

(سیرت ابن ہشام: ۱/۲۶۷، الروض الانف: ۱/۴۰۱۔۴۰۴، البدایہ والنہایہ: ۱۸۸/۳، شرح الزرقانی: ۱/۳۹۳)

رسول اکرم ﷺ کا حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لے جانا

وحیِ الٰہی کے نزول کے بعد آپ ﷺ پر خوف طاری ہو گیا اور آپ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ اے خدیجہ! مجھے کمبل اڑھاؤ! مجھے کمبل اڑھاؤ! مجھے اپنی جان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کے بدن پر کمبل ڈال دیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ کو پورا واقعہ سنایا، حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ "ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کر سکتے ہیں (یعنی آپ ہلاک نہیں ہو سکتے ہیں، کیوں کہ) آپ تو رشتوں کو جوڑتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں کو کما کر دیتے ہیں، لوگوں کی مصیبتوں میں ان کی مدد کرتے ہیں"۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۲/۲۳۵، شرح الزرقانی: ۱/۳۹۵، عیون الاثر: ۱/۱۶۹)

حضرت خدیجہ کا ورقہ بن نوفل کے پاس جانا

اس کے بعد حضرت خدیجہ اپنے چچازاد بھائی وَرَقَہْ بن نَوْفَلْ کے پاس گئی اور ان کو پورا واقعہ بتایا، یہ سن کر وَرَقَہْ بن نَوْفَلْ نے کہا کہ خدا کی ذات پاک ہے! خدا کی ذات پاک ہے! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم سچ بول رہی ہو تو اس کے پاس وہی فرشتہ آیا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آتا تھا، اور محمد اس امت کے نبی ہوں گے، ان سے کہو کہ وہ ثابت قدم رہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۱۶۵، سیرت ابن ہشام: ۱/۲۶۷)

پھر حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو تسلی دلانے کے لئے آپ کو بھی وَرَقَہْ بن نَوْفَلْ کے پاس لے گئیں، وَرَقَہْ بن نَوْفَلْ نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ کے پاس وہی فرشتہ آیا تھا جو حضرت موسیٰ کے پاس آتا تھا، پھر آپ ﷺ کو نبوت کی بشارت دی اور آپ سے فرمایا کہ کاش! میں اس

وقت زندہ اور طاقتور رہتا جس وقت تیری قوم تجھ کو اس شہر سے نکال دیگی''، یہ سن کر آپ ﷺ کو تعجب ہوا تو وَرَقَہْ بن نَوْفَلْ نے کہا کہ ''جس شخص کو بھی نبوت کی دولت سے نوازا گیا ہے اس کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہے''۔

(سبل الہدی والرشاد: ۲/۲۳۶، شرح الزرقانی: ۱/۳۹۸، عیون الاثر: ۱/۱۷۰)

وحی کے سلسلہ کا بند اور جاری ہونا

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد صحیح قول کے مطابق تین سال تک نزولِ وحی کا سلسلہ بند رہا، ان ایام میں آپ ﷺ وحی الٰہی کے لئے اس قدر بے چین ہوجاتے تھے کہ بسا اوقات آپ پہاڑ کی چوٹی پر اس نیت سے چڑھ جاتے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے گرا کر ہلاک کرلیں، لیکن اسی وقت حضرت جبرئیل آتے اور آپ کو نبوت کی بشارت اور تسلی دیکر چلے جاتے۔

(شرح الزرقانی: ۱/۴۰۲، ۴۴۰، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۸۸، طبقات ابن سعد: ۱/۱۶۶)

جب تین سال کی مدت گذ گئی تو پھر سے وحی کا سلسلہ شروع ہوا، جس کا آغاز اس طرح ہوا کہ آپ ﷺ مکہ میں کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے کسی کی آواز سنی جو آپ کو پکار رہا تھا، آپ ﷺ نے ہر طرف نگاہ دوڑائی لیکن آپ کو کوئی بھی شخص نظر نہیں آیا، پھر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت جبرئیل آسمان وزمین کے درمیان فضا میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور انہوں نے ہی مجھے پکارا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ پر رعب وہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی، آپ ﷺ اسی وقت گھر تشریف لے گئے اور حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھے چادر اڑھاؤ!! مجھے چادر اڑھاؤ!! چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو چادر اوڑھادی، جب آپ ﷺ آرام فرمارہے تھے تو اسی درمیان آپ ﷺ پر سورۂ مدثر کی درج ذیل ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں: ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرْ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ. وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ﴾ (سورۃ المدثر) ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے! اٹھو! پھر (کافروں کو) ڈراؤ، اور اپنے رب کی بڑائی کرو، اور اپنے کپڑے کو پاک رکھو، اور بتوں سے الگ (دور) رہو۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۲۰۷، معارف القرآن: ۸/۶۰۹، عیون الاثر: ۱/۱۶۸)

بعثت کی تاریخ پر ایک نظر

بعثت کے پہلے مرحلے یعنی سچا خواب دیکھنے اور بعثت کے دوسرے مرحلے یعنی وحی الٰہی کے نزول کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی؟ مہینہ کون سا تھا؟ تاریخ کیا تھی؟ ان چیزوں میں مؤرخین کا کافی اختلاف ہے جس کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

۱۔ عمر کے سلسلہ میں ۴۰ رسال، ۴۰ رسال ۱ ردن، ۴۰ رسال ۱۰ ردن، ۴۰ رسال ۲ رماہ، ۴۲ رسال، ۴۳ رسال اور ۴۵ رسال کے اقوال ملتے ہیں، لیکن راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک جب مکمل ۴۰ رسال تھی تو آپ سچا خواب دیکھنے لگے اور جب عمر مبارک ۴۰ رسال ۶ رماہ ۵ ردن تھی تو آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

۲۔ مہینہ کے سلسلہ میں رمضان المبارک، ربیع الاول اور رجب المرجب وغیرہ کے اقوال ملتے ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ربیع الاول کے مہینہ سے سچے خواب کی ابتداء ہوئی اور رمضان کے مہینہ میں پہلی وحی نازل ہوئی۔

۳۔ تاریخ کے سلسلہ میں ۱۷ ررمضان، ۱ رربیع الاول، ۸ رربیع الاول، ۱۷ ررجب، ۷ ررمضان، ۱۴ ررمضان اور ۲۴ ررمضان کے اقوال ملتے ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ۱۲ رربیع الاول سے سچے خواب کی ابتدا ہوئی اور ۱۷ ررمضان کو پہلی وحی نازل ہوئی۔

(مستفاد از: سبل الہدیٰ والرشاد: ۲/۲۲۵، ۲۲۶، المواہب مع الزرقانی: ۱/۳۸۵، ۳۸۶، فتح الباری: ۱/۲۷)

بعثت پر مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: الروض الانف: ۱/۴۰۱۔۴۰۴، سبل الہدیٰ والرشاد: ۲/۲۳۳، المواہب اللدنیہ: ۱/۱۹۵، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۸۸، شرح الزرقانی: ۱/۳۹۳، سیرت ابن ہشام: ۱/۲۶۷، طبقات ابن سعد: ۱/۱۶۶، سیرۃ المصطفیٰ: ۱/۱۲۸، سیرت ابن اسحاق: ۱/۱۶۸، عیون الاثر: ۱/۱۷۱۔

تیسرا باب

نبوت سے ہجرت تک کے سنہرے نقوش

رسول اکرم ﷺ کا خفیہ طور پر دعوت دینا

جب آپ ﷺ پر دوبارہ وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات میں ''قُمْ فَأنْذِرْ'' کے ذریعہ آپ ﷺ کو تبلیغ کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے خفیہ طور پر اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی، چنانچہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ، مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق، بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی، غلاموں میں سب سے پہلے حضرت بلال اور آزاد غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ نے اسلام قبول کیا۔ (شرح الزرقانی: ۱/۴۵۴)

چوں کہ اس دور میں علی الاعلان اسلام کی دعوت نہیں دی جا سکتی تھی اور نہ ہی اس کا حکم ہوا تھا، اس لئے آپ ﷺ تین سال تک چپکے چپکے اسلام کی دعوت دیتے رہے، اور آپ ﷺ نے حضرت زید بن ارقم کے گھر کو جو خانۂ کعبہ سے ۱۳۰/ میٹر کی دوری پر ''کوہ صفا'' کے قریب واقع تھا اپنے کام کا مرکز بنالیا، آپ ﷺ اسی مکان میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے اور اسلام قبول کرنے والوں کی خصوصی تربیت بھی اسی مکان میں فرماتے، بعد میں یہی مکان ''دار ارقم'' کے نام سے مشہور ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۱/۱۶۵، نقوش پائے مصطفیٰ: ۵۲، پیام سیرت: ۷۵)

رسول اکرم ﷺ کا علی الاعلان دعوت دینا

نبوت ملنے کے تین سال بعد رسول اکرم ﷺ کو اپنے قریبی رشتہ داروں اور عام لوگوں کو علی الاعلان دین اسلام کی دعوت دینے کا حکم ہوا۔ (عیون الاثر: ۱/۱۸۸) چنانچہ آپ ﷺ نے خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے خاندان کے لوگوں کو کھانے کی دعوت پر بلایا جس میں تقریباً ۵۰/ لوگ شریک ہوئے، کھانے سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے ان کے سامنے دین حق کا اعلان کیا، لیکن ان میں سے کسی شخص نے بھی اسلام قبول نہیں کیا۔ (سبل الہدی والرشاد: ۲/۳۲۲)

پھر آپ ﷺ نے عام لوگوں کو دعوت دینے کے لئے ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ کر یہ

آواز لگائی: یا صباحاہ! (ہائے صبح کا خطرہ! ہائے صبح کا خطرہ! اس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ کسی اہم بات کو بیان کرنے کے لئے پہاڑی پر چڑھ کر اسی طرح اعلان کیا جاتا تھا) جب سارے لوگ جمع ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمنوں کی فوج ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے، تو کیا تم اسے سچ مانو گے"؟ سبھوں نے کہا کہ ہاں! ہم اس بات کو سچ سمجھیں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان میں سے ہر قبیلہ والوں کا نام لیکر پکارا اور فرمایا کہ "اے قریش کی جماعت! اے بنو عبد مناف! اے بنو عبد شمس! اے بنو کعب بن لوی! اے عباس! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اس بات کا اقرار کرلو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ، یقیناً اللہ کے عذاب سے میں تمہیں نہیں بچاسکتا ہوں"، یہ سن کر قریش غصہ میں آگئے اور ابولہب نے غصہ میں آگ بگولہ ہوکر آپ ﷺ کی طرف ایک مٹھی مٹی پھینکا اور کہا کہ اے محمد! تم برباد ہوجاؤ، کیا تم نے ہم سب کو اسی کام کے لئے جمع کیا تھا؟ اللہ رب العزت نے ابولہب کی اس بیہودہ حرکت پر اسی وقت "سورۂ تبت یدا ابی لہب" نازل فرمائی۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۶۹، سبل الہدی والرشاد: ۲/۳۲۳)

کفار کا حضرت ابوطالب کے پاس آنا

جب آپ ﷺ پوری قوت کے ساتھ تبلیغ کا کام کرنے لگے اور کفار کے بتوں کی حقیقت اور انکے عقائد کی خرابیوں کو بیان کرنا شروع کیا تو قریش آگ بگولہ ہوگئے اور ابوطالب کے پاس آکر ان سے کہا کہ اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے دین میں عیب لگاتا ہے، حالاں کہ تمہارا دین بھی وہی ہے جو ہمارا دین ہے، لہذا اپنے بھتیجے کو اس کام سے روکو ورنہ اس کی مذمت کرو، حضرت ابوطالب نے ان کو سمجھا بجھا کر واپس کردیا۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۲۶)

حضرت ابوطالب گرچہ مسلمان نہیں ہوئے لیکن وہ آپ ﷺ کو حق پر سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے آپ ﷺ کو اسلام کی دعوت دینے سے نہیں روکا اور آپ ﷺ تبلیغ کے کام میں لگے رہے، یہ دیکھ کر کافروں کی جماعت پھر سے حضرت ابوطالب کے پاس آئی اور ان لوگوں نے کہا کہ اے ابوطالب! اپنے بھتیجے کو اس کام سے روکو، ورنہ ہم سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔

قریش کے اس غیظ و غضب کو دیکھ کر حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کو بلایا اور قریش

کی باتوں کو آپ ﷺ کے سامنے رکھنے کے بعد فرمایا کہ اے بھتیجے! اپنے بوڑھے چچا پر اتنا ہی بوجھ ڈالو جتنا وہ برداشت کر سکے، یہ سن کر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ ''اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی میں دین کی دعوت دینے سے نہیں رکوں گا، یہاں تک کہ خدا کا دین غالب آجائے یا مجھے موت آجائے، رسول اکرم ﷺ کی اس استقامت کو دیکھ کر حضرت ابوطالب نے بھی آپ ﷺ کی مکمل حمایت کا اعلان فرمادیا اور رسول اکرم ﷺ سے فرمایا کہ اے میرے پیارے بھتیجے! جاؤ اور اپنے دین کی تبلیغ کرتے رہو، میں تمہیں ان دشمنوں کے حوالہ کبھی نہیں کروں گا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳۲۶/۱، عیون الاثر: ۱۸۹/۱)

رسول اکرم ﷺ کو کفار کا دنیوی لالچ دینا

جب قریش کی پہلی تدبیر ناکام ہوگئی تو انہوں نے اپنے سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا، تاکہ وہ آپ ﷺ کو ہر قسم کی دنیوی لالچ دیکر اسلام کی تبلیغ سے خاموش کردے، عتبہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے بھتیجے! تم حسب ونسب کے اعتبار سے قوم میں سب سے اچھے ہو، اس کے باوجود تم نے اپنی جماعت میں اختلاف پیدا کردیا ہے، تم ان کے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو اور ان کے آباؤ واجداد کو جاہل سمجھتے ہو، لہذا اگر اس نبوت کے دعوے سے تمہارا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم سب مل کر تمہیں اتنا مال دیں گے کہ تم سب سے مالدار ہوجاؤ گے، اگر اس دعوت سے تمہارا مقصد سرداری کا حصول ہے تو ہم سب تمہیں اپنا سردار ماننے کے لئے تیار ہیں، اور اگر اس دعوت سے تمہارا مقصد بادشاہ بننا ہے تو ہم سب تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں، اور اگر تم یہ سب باتیں کسی دماغی خرابی یا پاگل پن کی وجہ سے کہتے ہو تو ہم تمہارا علاج کرانے کے لئے تیار ہیں۔ عتبہ جب گفتگو سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے اسے ''سورہ حٰمٓ'' کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں، جن کو سننے کے بعد عتبہ دم بخود ہوگیا اور کفار کی جماعت کے پاس جاکر بولا کہ ''جو کلام میں نے سنا ہے نہ تو وہ جادو ہے، نہ ہی وہ شاعروں اور کاہنوں کا کلام ہے، لہذا تم اس شخص کو اپنا کام کرنے دو کیوں کہ اس کے کلام میں ایسی تاثیر ہے کہ ایک نہ ایک دن ضرور اس کے کلام کو غلبہ حاصل ہوگا''، یہ سن کر کفار کہنے لگے کہ محمد نے عتبہ پر بھی جادو کردیا ہے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۳۳۵/۱، عیون الاثر: ۱۹۶/۱)

کفار کا مسلمانوں کو سخت سزائیں دینا

مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ کو دعوت اسلام سے روکنے کے لئے نہ تو ابوطالب سے مدد مل رہی ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کسی قسم کی لالچ سے متاثر ہورہے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو سخت سزائیں دینی شروع کردی، چنانچہ کسی صحابی کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر اس قدر مارا جاتا کہ وہ بیہوش ہوجاتے، کسی صحابی کو پانی میں غوطہ دیا جاتا، کسی صحابی کو آگ کے انگاروں پر لٹادیا جاتا، کسی صحابی کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرادیا جاتا، کسی صحابی کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا جاتا اور کسی صحابی کے سینہ پر گرم گرم پتھر رکھے جاتے تھے، لیکن ان تمام تکلیفوں کے باوجود ان میں سے ہر ایک صحابی کی زبان پر ''اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے'' کا نعرہ رہتا تھا۔ (شرح الزرقانی: ۱/۴۹۸، سیرۃ المصطفی: ۱/۲۲۹)

مسلمانوں کی حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

جب کفار مسلمانوں پر بے انتہا ظلم وستم کرنے لگے تو آپ ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ کی رحم دلی اور انصاف پروری پر نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی، چنانچہ اس اجازت کے بعد ایک مختصر سا قافلہ (جس میں صحیح قول کے مطابق ۱۲/مرد اور ۵/خواتین تھیں: سبل الھدی: ۲/۳۶۳، شرح الزرقانی: ۱/۵۰۴) حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عثمان بن عفان کی معیت میں نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں حبشہ کے لئے روانہ ہوا، وہاں پہنچنے کے بعد یہ لوگ امن وامان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے لگے، اسکے بعد دھیرے دھیرے مکہ کے دوسرے مسلمان بھی وہاں ہجرت کرکے جانے لگے، حتی کہ ان کی تعداد ۸۰/ ہوگئی۔

(شرح الزرقانی: ۱/۵۰۴، طبقات ابن سعد: ۱/۲۰۷، سبل الھدی والرشاد: ۲/۳۶۳، عیون الاثر: ۱/۲۰۹)

مسلمانوں کی حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

نبوت کے چھٹے سال کے شروع میں حبشہ کے مہاجرین تک یہ غلط افواہ پہنچی کہ مکہ والوں نے اسلام قبول کرلیا ہے، یہ سن کر ان میں سے ۳۳/افراد مکہ واپس آگئے، مکہ کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، لیکن اس کے باوجود یہ لوگ حبشہ واپس ہونے کے بجائے مکہ آگئے، یہاں

آنے کے بعد کفار ان پر پہلے سے زیادہ ظلم کرنے لگے، اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی، چنانچہ نبوت کے چھٹے سال ۸۳؍ مرد اور ۱۸؍ عورتیں حبشہ کے لئے روانہ ہوئیں، اس طرح مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد حبشہ میں جمع ہوگئی۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳۸۹/۲، شرح الزرقانی: ۳۱/۲، طبقات ابن سعد: ۱۷۶/۱، سیرت ابن ہشام: ۱۸/۲)

کفار کا حبشہ کے بادشاہ کو ورغلانا

جب مکہ والوں کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمان حبشہ میں امن و امان کے ساتھ عبادت میں مشغول ہیں تو ان کو مسلمانوں کا یہ سکھ چین گوارا نہیں ہوا، اس لئے کفارِ مکہ نے اپنے نمائندوں کو تحائف دیکر حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا، یہ لوگ حبشہ کے بادشاہ کے پاس پہنچے، انہیں تحفہ دیا اور بادشاہ سے یہ مطالبہ کیا کہ جو لوگ مکہ سے بھاگ کر حبشہ آئے ہیں ان کو مکہ والوں کے سپرد کر دیا جائے۔

اس کے بعد حبشہ کے بادشاہ نَجاشی (اصل نام اُصْحَمہ ہے) نے معاملہ کی تحقیق کیلئے مسلمانوں کو بلایا، چنانچہ مسلمانوں کی جماعت بادشاہ کے دربار میں آئی، مسلمانوں میں سے حضرت جعفر طیار آگے بڑھے اور بادشاہ کے دربار میں زمانۂ جاہلیت کی برائیاں، آپ ﷺ کی تعلیمات اور کفار مکہ کے مظالم کو پرسوز انداز میں بیان کیا، نَجاشی آپ کی تقریر سے بہت متأثر ہوا اور نجاشی نے مکہ والوں کے ہدایا اور تحائف کو واپس کر دیا، نیز مسلمانوں کو امن و امان کے ساتھ حبشہ میں رہنے کی اجازت دیدی اور بعد میں وہ خود بھی مسلمان ہوگیا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳۸۹/۲۔۳۹۴، عیون الاثر: ۲۱۲/۱)

مسلمانوں اور ان کی مدد کرنیوالوں کا بائیکاٹ

جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کو حبشہ میں ایک محفوظ جگہ مل گئی ہے اور وہ دھیرے دھیرے مضبوط ہوتے جا رہے ہیں؛ تو انہوں نے باہمی مشورہ سے ایک عہد نامہ لکھا جس میں آپ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب سے بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا، اس عہد نامہ میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ”ان لوگوں سے خرید و فروخت نہ کی جائے، اپنی لڑکیوں کی شادی ان سے نہ کی جائے اور نہ ہی ان کی لڑکیوں سے نکاح کیا جائے، ان سے گفتگو بھی نہ کی جائے، ان کو کوئی شخص کھانا دینے

کی کوشش کرے تو انہیں اس سے روکا جائے، انہیں گلیوں اور بازاروں میں گھومنے پھرنے نہ دیا جائے، یہ بائیکاٹ اس وقت تک رکھا جائے جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد کو ہمارے حوالہ نہ کردیں"۔ اس کے بعد اس عہد نامہ کو بیت اللہ کی چھت سے لٹکا دیا گیا۔

چنانچہ حضرت ابو طالب بنو ہاشم اور بنو مطلب کو لیکر مسجد حرام سے ۳۰۰ رمیٹر کے فاصلہ پر واقع "جبل أبي قُبَيس" کے درمیان ایک گھاٹی میں چلے گئے، جو بعد میں "شِعب أبي طالب" کے نام سے مشہور ہوا۔ (نقوش پائے مصطفیٰ: ۵۹) مسلمان تین سال تک نہایت بے سروسامانی کے عالم میں اس گھاٹی میں مقیم رہے، درختوں کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرنے لگے، بالآخر قریش کے چند اچھے اور بھلے آدمیوں کے مشورہ سے اس بائیکاٹ کو ختم کر دیا گیا، نبوت کے ساتویں سال محرم الحرام کے مہینہ میں اس عہد نامہ کا اعلان کیا گیا اور نبوت کے نویں سال کے اختتام پر اس بائیکاٹ کو ختم کر دیا گیا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۲/۳۷۷، طبقات ابن سعد: ۱/۱۷۷، عیون الاثر: ۱/۲۲۲، نقوش پائے مصطفیٰ: ۵۹)

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال

نبوت کے دسویں سال آپ ﷺ کے ساتھ دو بڑے حادثات پیش آئے: ایک یہ کہ اس سال آپ ﷺ کے مہربان چچا ابو طالب کا انتقال ہوگیا، دوسرا حادثہ یہ ہوا کہ ابو طالب کے انتقال کے چند دنوں کے بعد آپ ﷺ کی غم گسار بیوی حضرت خدیجہ کا بھی انتقال ہوگیا، اہل مکہ کے ظلم و ستم کے مقابلہ میں ظاہری طور پر سہارا دینے والے اور دلداری کرنے والے یہی دونوں تھے اس لئے اس واقعہ سے آپ ﷺ کو بڑا صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے اس سال کو عَامُ الْحُزْن (غموں کا سال) قرار دیا۔ (شرح الزرقانی: ۲/۴۸، سیرت ابن ہشام: ۲/۶۴، عیون الاثر: ۱/۲۲۷، پیام سیرت: ۷۹)

رسول اکرم ﷺ کا سفرِ طائف

رسول اکرم ﷺ نبوت کے دسویں سال مکہ سے ۸۰ رکلومیٹر دور مقام طائف (نقوش پائے مصطفیٰ: ۶۳) تشریف لے گئے اور وہاں کے مشہور قبیلہ "بنو ثقیف" کے تین سردار سے ملاقات کی، اور انہیں اسلام کی دعوت دی، لیکن ان لوگوں کا سلوک مکہ والوں سے بھی بدتر ثابت ہوا، ان

میں سے ایک نے کہا کہ اگر اللہ نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو اللہ خانۂ کعبہ کی چادر (غلاف) کو چاک کرنا (پھاڑ دینا) چاہتا ہے، دوسرے نے کہا کہ کیا خدا کو تمہارے علاوہ کوئی اور شخص نہیں ملا جسے رسول بنایا جاتا؟ تیسرے نے کہا کہ میں تمہاری بات سننا نہیں چاہتا، اس لئے کہ اگر تو سچا نبی ہے تو تمہاری بات سے انکار کرنا مصیبت سے خالی نہیں ہوگا اور اگر تو جھوٹا نبی ہے تو میں جھوٹے شخص سے بات نہیں کرنا چاہتا، نیز ان لوگوں نے وہاں کے بدمعاشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا، وہ بدمعاش آپ ﷺ کو گالیاں دیتے رہے اور آپ ﷺ پر پتھر برساتے رہے حتی کہ آپ ﷺ کا جسم لہولہان ہوگیا اور اسی حال میں آپ ﷺ عتبہ اور شیبہ کے باغ میں پہنچے۔

(شرح الزرقانی: ۲/۵۰، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۸۰، سیرت ابن ہشام: ۲/۶۷، عیون الاثر: ۱/۲۳۱)

وہاں پہنچ کر حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالی سے دعا مانگی اور اپنی کمزوری کا اظہار کیا، اللہ تعالی کی رحمت جوش میں آئی، حضرت جبرئیل آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اگر آپ حکم دیں گے تو میں طائف والوں کو "جبل أبي قُبَيس" اور "جبل قُعَيقعان" نامی دونوں پہاڑوں کے درمیان کچل کر رکھدوں گا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کی نسلیں ضرور ایمان لائیں گی، چنانچہ بعد میں وہاں کے بہت سارے لوگ مسلمان ہوئے۔ (شرح الزرقانی: ۲/۵۲، نقوش پائے مصطفیٰ: ۳۴)

وہاں سے واپسی پر مکہ سے ۴۵ رکلومیٹر دور "وادئ نَخلَۃ" میں جب آپ ﷺ رات کی تاریکی میں نماز پڑھ رہے تھے تو شام کے مشہور شہر "نَصِیْبِیْن" کے سات جنات آپ ﷺ کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئے۔ (شرح الزرقانی: ۲/۷۰، نقوش پائے مصطفیٰ: ۶۹، عیون الاثر: ۱/۲۳۴)

رسول اکرم ﷺ کا مختلف قبائلِ عرب کو دعوت دینا

آپ ﷺ حج کے موسم، بازار عُکاظ اور دیگر تجارتی اجتماعات میں عرب کے مختلف قبیلوں کی سکونت گاہوں میں تشریف لے جاتے، ان کے سرداروں سے ملتے، انہیں اسلام کی دعوت دیتے اور ان سے مسلمانوں کو پناہ دینے اور ان کی حفاظت کرنے کے سلسلہ میں بات کرتے تھے، نیز بسا اوقات مکہ سے باہر تشریف لے جاتے اور جو کوئی مسافر آتا جاتا ہوا ملتا انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۸۴، سبل الہدی والرشاد: ۲/۴۵۱، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۸۵، سیرت النبی: ۱/۱۸۶)

رسول اکرم ﷺ کا سفرِ معراج

نبوت کے بارہویں سال جبکہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۲/سال تھی تو اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو معراج سے سرفراز فرمایا، جس کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

آپ ﷺ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان سے بُراق پر سوار ہوکر حضرت جبرئیل کے ساتھ مکہ سے بیت المقدس گئے، بیت المقدس میں آپ ﷺ نے نبیوں کی امامت فرمائی، پھر وہاں سے ساتوں آسمان کی سیر کرتے ہوئے اللہ رب العزت کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ وہاں فرشتوں کو بھی جانے کی اجازت نہیں ہے، وہاں آپ ﷺ نے خدا کا دیدار کیا اور جنت وجہنم کی سیر کی، واپسی میں اللہ رب العزت نے تحفہ کے طور پر پچاس نمازیں فرض کی، لیکن حضرت موسیٰ کے مشورہ سے آپ ﷺ نے اللہ تعالی سے بار بار تخفیف کی درخواست کی اور وہ پانچ کردی گئیں۔

(شرح الزرقانی:۲/۶۷، الروض الانف:۲/۱۸۷، سیرت ابن اسحاق:۱/۳۰۹، طبقات ابن سعد:۱/۱۸۱)

صبح کے وقت جب آپ ﷺ نے اس سفر کا ذکر کیا تو کفار نے بڑی شدت کے ساتھ اس کو جھٹلایا اور آپ ﷺ سے مختلف سوال کرنے لگے، مثلا بیت المقدس میں کتنے ستون ہیں؟ ہمارا جو قافلہ تجارت کے لئے گیا ہے وہ ابھی کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے ان سوالوں کا بھی جواب دیدیا، لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے آپ ﷺ کی تصدیق نہیں کی۔

(شرح الزرقانی:۸/۲۶۶، طبقات ابن سعد:۱/۱۸۳، سیرۃ المصطفی:۱/۳۰۱)

پھر وہ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور آپ ﷺ کا استہزاء کرتے ہوئے ان کو معراج کا قصہ سنایا، حضرت ابوبکر نے فوراً اس کی تصدیق کردی اور فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں، یعنی یہ کہ ان کے پاس صبح وشام کے تھوڑے سے وقت میں (فرشتوں کے ذریعہ) آسمان کی خبریں (وحی الٰہی) پہنچ جاتی ہیں، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو صدیق کے لقب سے نوازا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہوگئے۔ (المواہب علی الزرقانی:۸/۲۶۶)

فائدہ: صحیح قول کے مطابق ہجرت سے ایک سال پہلے یعنی نبوت کے بارہویں سال ربیع الاول کی ستائیسویں تاریخ کو پیر کی رات معراج کا واقعہ پیش آیا، لیکن بعض لوگوں نے رجب کی ستائیسویں تاریخ کو راجح قرار دیا ہے۔ (سبل الہدی والرشاد:۳/۶۵، شرح الزرقانی:۲/۷)

یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ آپ ﷺ نے معراج کا سفر بیداری کی حالت میں اپنے جسم اور روح دونوں کے ساتھ رات کے آخری حصہ میں کیا۔ (سبل الہدی والرشاد:۳/۶۷،شرح الزرقانی:۸/۱۴)

رسول اکرم ﷺ کا چاند کے دو ٹکڑے کرنا

رسول اکرم ﷺ کے اہم معجزات میں سے ایک معجزہ شَقُّ القمر (چاند کو دو ٹکڑے کرنے) کا بھی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے مشرکین مکہ کی ایک جماعت (جس میں ولید بن مغیرہ اور ابوجہل وغیرہ بھی تھے) رسول اکرم ﷺ کے پاس آئی اور انھوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اس چاند کے دو ٹکڑے کر دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اس چاند کے دو ٹکڑے کر دوں تو کیا تم لوگ مجھ پر ایمان لے آؤ گے؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں! ہم ضرور ایمان لے آئیں گے، آپ ﷺ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، اس کا ایک ٹکڑا "جبل أبی قُبیس" پر اور دوسرا ٹکڑا "جبل قُعیقعان" پر تھا، لوگ کافی دیر تک اس کو حیرت سے دیکھتے رہے، حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو چاند کے دو ٹکڑے صاف صاف نظر آتے تھے، عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر تک چاند اسی طرح رہا، اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا، یہ صورت حال دیکھ کر کفار کہنے لگے کہ محمد نے آسمان پر بھی جادو کر دیا ہے، پھر ان لوگوں نے باہر سے آنے والے مسافروں سے اس بارے میں پوچھا تو ان لوگوں نے بھی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی تصدیق کی، لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔

(سبل الہدی والرشاد:۹/۴۳۰، البدایہ والنہایہ:۳/۳۵۶، دلائل النبوۃ:۲/۲۶۶، نقوش پائے مصطفیٰ:۵۷)

مدینہ منورہ میں اسلام کی آمد

نبوت کے گیارہویں سال جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۱/سال تھی، مکہ و منیٰ کے درمیان "عقبہ جمرہ" نامی جگہ پر مدینہ کے مشہور قبیلہ "قبیلۂ خَزرَج" کے ۶/آدمیوں سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور انہیں قرآن پڑھ کر سنایا، چوں کہ یہ لوگ مدینہ کے یہودیوں سے ایک رسول کے آنے کی بشارت سن چکے تھے اس

لئے انہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا، اس کے بعد جب یہ لوگ مدینہ گئے تو وہاں اسلام کی تبلیغ شروع کردی، اس طرح مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کا چرچا شروع ہوگیا۔

(شرح الزرقانی: ۲/۴۷، سبل الہدیٰ والرشاد: ۳/۱۹۴، البدایہ والنہایہ: ۳/۴۰۰، عیون الاثر: ۱/۲۶۲)

بیعت عقبہٗ اولیٰ

پھر نبوت کے بارہویں سال جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۲ر سال تھی حج کے مہینہ میں مدینہ منورہ سے ۱۲ر آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے، ان میں سے پانچ تو انہیں چھ میں سے تھے جن کا تذکرہ ابھی گذرا اور سات ان کے علاوہ تھے، آپ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے ان سے درج ذیل چیزوں کا عہد و پیمان لیا کہ وہ ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، چوری اور زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، کسی پر بہتان نہیں لگائیں گے، بھلائی کے کاموں میں اللہ اور رسول کی نافرمانی نہیں کریں گے''، چنانچہ ان لوگوں نے مذکورہ بالا امور کا عہد و پیمان کیا، اس کے بعد وہ لوگ مدینہ واپس ہوگئے۔

(شرح الزرقانی: ۲/۷۹۔۸۱، طبقات ابن سعد: ۱/۱۸۷، سبل الہدیٰ والرشاد: ۳/۱۹۷، عیون الاثر: ۱/۲۶۳)

بیعت عقبہٗ ثانیہ

جب یہ لوگ مدینہ گئے تو خوب زور و شور کے ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کردی، ان کی کوشش سے بہت سارے لوگ مسلمان ہوئے اور نبوت کے تیرہویں سال جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۳ر سال تھی حج کے موسم میں مدینہ منورہ سے ۷۰ر مسلمان حج کرنے اور آپ ﷺ سے ملاقات کرنے کی نیت سے مکہ آئے، آپ ﷺ نے ان کا استقبال کیا اور ''عقبہٗ جمرہ'' کے پاس رات میں ملنے کا وعدہ کیا، وعدہ کے مطابق آپ ﷺ رات میں وہاں تشریف لے گئے اور ان سے اس بات کا عہد و پیمان لیا کہ وہ حضور اکرم ﷺ اور مکہ سے مدینہ جانے والے مسلمانوں کا اپنے بچوں اور اپنی عورتوں سے زیادہ حفاظت کریں گے، چنانچہ ان لوگوں نے حفاظت کا وعدہ کیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان میں سے ۱۲ر آدمیوں کو انصار کے قبیلوں کا سردار بنا کر مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ کردیا۔

(شرح الزرقانی: ۲/۸۵، طبقات ابن سعد: ۱/۱۸۸، سبل الہدیٰ والرشاد: ۳/۲۰۱، عیون الاثر: ۱/۲۷۲)

رسول اکرم ﷺ کا سفرِ ہجرت

عقبۂ ثانیہ کی بیعت میں جب مدینہ والوں سے یہ بات طے ہوگئی کہ مسلمان اگر ہجرت کرکے مدینہ جائیں گے تو مدینہ کے لوگ انہیں پناہ دیں گے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، چنانچہ آہستہ آہستہ مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے، یہاں تک کہ مکہ میں صرف چند مسلمان باقی رہ گئے۔ (شرح الزرقانی:۲/۸۹)

آپ ﷺ اللہ تعالی کے حکم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ہجرت نہیں کی، اسی درمیان حضرت ابوبکر نے بھی ہجرت کرنے کا ارادہ کیا، لیکن آپ ﷺ نے ان کو بھی روک لیا اور فرمایا کہ شاید آپ میرے ساتھ ہجرت کیجئے گا، یہ سن کر حضرت ابوبکر ٹھہر گئے۔

(شرح الزرقانی:۲/۹۳، طبقات ابن سعد:۱/۱۹۴، سبل الھدی والرشاد:۳/۲۲۷)

کفار کا رسول اکرم ﷺ کے گھر کا محاصرہ کرنا

کفار کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کرکے جارہے ہیں اور مکہ میں صرف چند مسلمان بچ گئے ہیں تو انہیں یہ خوف ہوا کہ اگر محمد مدینہ چلے گئے تو قوی اندیشہ ہے کہ مدینہ والے متفق ہوکر ہم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہوجائیں، اس لئے انہوں نے "دارُ النَّدوہ" میں اس سلسلہ میں مشورہ کیا، کسی نے کہا کہ محمد کو قید کردیا جائے، کسی نے کہا کہ ان کو شہر سے نکالدیا جائے، بالآخر ابوجہل کے مشورہ سے یہ فیصلہ ہوا کہ "ہر قبیلہ سے ایک ایک نوجوان تلوار لیکر رات میں آپ کے گھر کا گھراؤ کرلے اور جب صبح کے وقت آپ باہر نکلیں تو سب لوگ ایک ساتھ مل کر آپ کو قتل کردیں"، چنانچہ ان لوگوں نے رات میں آپ ﷺ کے گھر کو گھیر لیا۔

(شرح الزرقانی:۲/۹۴، طبقات ابن سعد:۱/۱۹۴، سبل الھدی والرشاد:۳/۲۳۱، عیون الاثر:۱/۲۹۱)

اللہ رب العزت نے حضرت جبرئیل کے ذریعہ آپ ﷺ کو قریش کی اس سازش سے آگاہ کردیا اور اسی وقت ہجرت کرنے کا حکم دیا، آپ ﷺ کے پاس کفار مکہ کی چند امانتیں رکھی ہوئی تھیں اس لئے آپ ﷺ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سلادیا اور ان کے پاس مکہ کے

کافروں کی امانتیں رکھ دیں تاکہ حضرت علی صبح کے وقت ان کی امانتوں کو ان کے حوالہ کردیں۔

(شرح الزرقانی:۲/۹۵،سبل الہدی والرشاد:۳/۲۳۲،البدایہ والنہایہ:۳/۴۴۱،عیون الاثر:۱/۲۹۳)

اس کے بعد آپ ﷺ سورہ یٰس کی تلاوت کرتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے، آپ ﷺ اپنی مٹھی میں مٹی رکھے ہوئے تھے، باہر نکل کر آپ ﷺ نے اس مٹی کو کفار کی طرف پھینکا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر ایک کافر کی آنکھ میں اس مٹی کا کچھ حصہ پہنچ گیا جس کی وجہ سے کفار اپنی آنکھوں کو مَلنے لگے اور آپ ﷺ اسی درمیان ان کی نظروں کے سامنے سے نکل گئے لیکن ان میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

(شرح الزرقانی:۱/۹۷،طبقات ابن سعد:۱/۱۹۴،سبل الہدی والرشاد:۳/۲۳۲،عیون الاثر:۱/۲۹۴)

رسول اکرم ﷺ کی مکہ سے روانگی اور غار ثور میں قیام

یہاں سے آپ ﷺ حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ہجرت کرنے کا حکم دیا ہے، یہ سن کر حضرت ابوبکر نے سفر کے لئے اپنی اونٹنی پیش کردی اور آپ ﷺ کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوگئے، دونوں حضرات مسجد حرام سے جنوب کی سمت ۴ رکلومیٹر کے فاصلہ پر "جَبلِ ثَوْرْ" نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا کر ٹھہر گئے۔(نقوش پائے مصطفیٰ:۸۰) جب صبح ہوئی اور کفار نے آپ ﷺ کو بستر پر نہیں پایا تو آپ ﷺ کی تلاش میں نکل پڑے، بعض لوگ تلاش کرتے کرتے غار کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ اگر وہ لوگ اپنے پیروں کی طرف نظر کرتے تو آپ ﷺ کو دیکھ لیتے، اس وقت صدیق اکبر بہت غمگین اور گھبرا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھبراؤ مت! اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں، پھر اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس غار کے منہ پر کبوتر نے گھونسلہ بنا کر انڈا دیدیا اور مکڑی نے اس پر جالا تن دیا جس کی وجہ سے کفار نے اس غار کے اندر جھانکنا مناسب نہیں سمجھا اور ناکام ہو کر واپس چلے گئے۔

(شرح الزرقانی:۲/۱۰۴،طبقات ابن سعد:۱/۱۹۵،سبل الہدی والرشاد:۳/۲۴۱،نقوش پائے مصطفیٰ:۸۰)

رسول اکرم ﷺ غار ثور میں تین دنوں تک ٹھہرے رہے، اس دوران حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی حضرت اسماء رات میں کھانا لیکر آتی تھیں، حضرت ابوبکر کے لڑکے حضرت عبداللہ قریش کی

خبریں پہنچاتے تھے اور حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فُھَیــرَہ رات میں آپ ﷺ تک دودھ پہنچایا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ:۴۴۲/۳،شرح الزرقانی:۱۲۷/۱،طبقات ابن سعد:۱۹۶/۱)

رسول اکرم ﷺ کی غار ثور سے روانگی

تین دنوں کے بعد آپ ﷺ حضرت ابوبکر کے ساتھ مدینہ کے لئے روانہ ہوئے،اس سفر میں حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ اور ایک رہبر عبدُ اللہ بن أرَیْقِط بھی ساتھ تھے جن کو حضرت ابوبکر نے مدینہ کا راستہ بتانے کے لئے اجرت پر لیا تھا۔(شرح الزرقانی:۱۲۹/۱)

جب مکہ والے آپ کو تلاش نہیں کرسکے تو انہوں نے یہ اعلان کردیا کہ جو شخص بھی محمد کو لیکر آئیگا اس کو انعام کے طور پر ۱۰۰/اونٹیاں دی جائیں گی، چنانچہ لوگ انعام کی لالچ میں آپ ﷺ کو تلاش کرنے کے لئے نکل پڑے،انہیں تلاش کرنے والوں میں سے ایک شخص سُــراقــہ بن جُعْشُم آپ ﷺ کو تلاش کرتے کرتے آپ کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ انہیں آپ ﷺ کی تلاوت کی آواز سنائی دینے لگی،حضرت صدیق اکبر یہ صورت حال دیکھ کر گھبراگئے،لیکن آپ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور سراقہ کے لئے بددعا کردیا جس کی وجہ سے ان کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا،سراقہ نے معافی کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے انہیں معاف کردیا،اس کے بعد سراقہ نے کہا کہ ایک تحریر میرے لئے امن اور معافی کی لکھ دیجئے،آپ ﷺ نے معافی نامہ بھی لکھ دیا،اس کے بعد سراقہ واپس آگئے،واپسی میں جو شخص بھی انہیں اس راستہ پر حضور ﷺ کے تعاقب میں جاتا ہوا ملتا تو وہ انہیں یہ کہکر واپس کردیتے کہ اس طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس معافی نامہ کو وہ حفاظت سے رکھے ہوئے تھے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ طائف اور حُنَین کے معرکوں سے واپس آرہے تھے تو مقام ”جِعْــرانَہ“ میں سراقہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپکو معافی نامہ دکھایا،آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا کہ ہاں! میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا،چنانچہ آپ ﷺ نے سراقہ کو معاف کردیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہوگئے۔

(دلائل النبوۃ:۴۸۷/۲،سبل الہدی والرشاد:۲۴۸/۳،شرح الزرقانی:۱۴۳/۲،زاد المعاد:۴۹/۳،سیرۃ المصطفی:۳۸۰/۱)

قباء میں رسول اکرم ﷺ کا قیام

آپ ﷺ کی ہجرت کی اطلاع سن کر مدینہ کے لوگ شدت سے آپ ﷺ کا انتظار کرنے لگے، وہ لوگ فجر کی نماز کے بعد مدینہ سے باہر نکل جاتے اور دوپہر تک آپ کا انتظار کرتے رہتے، یہاں تک کہ جب دھوپ تیز ہو جاتی تو واپس چلے جاتے تھے۔ (شرح الزرقانی:۱/۱۴۸)

ایک دن اسی طرح انتظار کرنے کے بعد جب وہ لوگ اپنے گھر واپس ہو گئے تھے تو اسی درمیان ایک یہودی کی نظر آپ ﷺ پر پڑی جو ایک ٹیلے پر اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے چڑھا ہوا تھا، اس نے زور سے آواز لگائی کہ اے لوگوں! جس ساتھی کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آگئے ہیں، یہ سنتے ہی مسلمان آپ ﷺ کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔

(شرح الزرقانی:۱/۱۴۹، سبل الہدی والرشاد:۳/۲۶۶)

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی علاقہ ہے اس کو عالیہ اور قُباء کہتے ہیں، آپ ﷺ سب سے پہلے اسی آبادی میں تشریف لے گئے، یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے، ان میں ممتاز خاندان بنو عمرو بن عوف کا تھا، آپ ﷺ نے اس خاندان کے سردار کلثوم بن هِدْم کے یہاں چند دنوں تک قیام کیا اور ایک مسجد (مسجد قُباء) کی بنیاد رکھی، جس کے بارے میں قرآن میں ہے کہ اس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے جس میں آپ ﷺ اور صحابۂ کرام نے علی الاعلان پنج گانہ نماز پڑھی۔

(شرح الزرقانی:۲/۱۵۴، سبل الہدی والرشاد:۳/۲۶۷، عیون الاثر:۱/۳۱۱)

رسول اکرم ﷺ کی قُباء سے مدینہ کی طرف روانگی

قباء میں چند دن قیام کے بعد آپ ﷺ جمعہ کے دن مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں جمعہ کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے ۱۰۰ر صحابۂ کرام کے ساتھ قُباء سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر بنو سالم بن عوف کے محلّہ میں (نقوش پائے مصطفیٰ:۹۶، ۹۷) جمعہ کی نماز پڑھی، جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور آگے کے لئے روانہ

ہو گئے،اس درمیان انصار ومہاجرین آپ ﷺ کے ارد گرد چل رہے تھے، ہر طرف خوشی کا سماں تھا، مدینہ کا ذرہ ذرہ روشن ہو چکا تھا اور مدینہ کی بچیاں دف بجاتے ہوئے یہ گیت گا رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

ترجمہ: ہمارے سامنے ثَنِيَّةِ الوَداع سے بدر کامل طلوع ہوا ہے۔ہم پر اللہ تعالی کا شکر واجب ہے جب تک کہ اللہ تعالی سے دعا مانگنے والا دعا مانگتا رہے۔اے وہ پاک ذات! جس کو ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے، آپ قابلِ تعمیل حکم (جس حکم پر عمل کیا جائے) لیکر تشریف لائے ہیں۔

(شرح الزرقانی: ۲/۱۶۵، سبل الہدی والرشاد: ۳/۲۷۱، نقوش پائے مصطفیٰ: ۹۷)

اور آپ ﷺ کے ننھیال بَنُو عَدِیْ بِنْ نَجّارْ کی بچیاں یہ شعر گنگنا رہی تھیں:

نَحْنُ جَوارٍ مِنْ بَنِي النَّجّارِ يَا حَبَّذا مُحَمَّدٌ مِنْ جارِ

ہم بنونجار کی بچیاں ہیں، کس قدر خوش نصیبی کی بات ہے کہ محمد ﷺ ہمارے پڑوسی ہیں۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳/۲۷۴)

فائدہ: لغت کے اعتبار سے پہاڑوں کے درمیان والے راستہ کو "ثَنِيَّه" کہتے ہیں، مدینہ منورہ میں دو "ثَنِيَّه" مشہور ہیں، ایک "ثَنِيَّه" قباء کی جانب واقع ہے، قباء کے راستہ سے مکہ آنے جانے والے لوگ اسی جگہ سے گذرتے تھے اور مدینہ کی بچیاں اسی جگہ گیت گا رہی تھیں، دوسرا "ثَنِيَّه" مسجد نبوی سے شمال کی جانب واقع ہے، خیبر، تبوک اور شام جانے والے لوگ اسی راستہ سے گذرتے تھے، چوں کہ مدینہ کے لوگ مسافروں کو رخصت کرنے کے لئے ان دونوں جگہوں تک آتے تھے اس لئے ان دونوں جگہوں کا نام "ثَنِيَّةُ الوَداع" رکھ دیا گیا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳/۲۷۷، نقوش پائے مصطفیٰ: ۹۸)

رسول اکرم ﷺ کا مدینہ میں جائے قیام

رسول اکرم ﷺ جب کسی قبیلہ کے پاس سے گذرتے تو ان میں سے ہر ایک رسول اکرم

ﷺ کو اپنے یہاں قیام کی دعوت دیتے، لیکن آپ ﷺ ان سے فرماتے کہ میری اونٹنی خود سے جہاں جا کر بیٹھے گی میں اسی جگہ قیام کروں گا، یہی اللہ تعالی کا حکم ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی اونٹنی اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں ابھی مسجدِ نبوی ہے، اس جگہ کھجوروں کا کھلیان تھا اور وہ زمین رافع بن عمرو کے دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی، یہ دونوں حضرت معاذ بن عَفراء اور حضرت اسعد بن زُرارہ کی پرورش میں تھے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہیں قیام کا حکم ہوا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ زمین خرید لی اور وہاں مسجد نبوی کی تعمیر کا حکم دیا۔

(شرح الزرقانی: ۱۶۰/۲، ۱۷۶، طبقات ابن سعد: ۲۰۳/۱، سبل الهدی والرشاد: ۲۷۲/۳، عیون الاثر: ۳۱۳/۱)

چوں کہ وہ زمین خالی تھی، مکانات اس پر بنے ہوئے نہیں تھے، اس لئے مسجد اور مکانات کی تعمیر تک آپ ﷺ نے اسی کے قریب حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں قیام کیا، ان کا گھر دو منزلہ تھا، ان کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ اوپر رہیں لیکن آپ ﷺ نے ملاقات کرنے والوں اور حضرت ابوایوب کی سہولت کی خاطر نچلی منزل میں رہنے کو پسند کیا، بعد میں آپ ﷺ حضرت ابوایوب کی بار بار کی درخواست پر اوپر تشریف لے گئے۔ (سبل الهدی والرشاد: ۲۷۳/۳۔۲۷۵، شرح الزرقانی: ۱۶۴/۲)

سفر ہجرت کی تاریخ پر ایک نظر

آپ ﷺ نبوت کے تیرہویں سال ۵۳/ سال کی عمر میں ۲۷/ صفر المظفر روز جمعرات کو مکہ سے روانہ ہوئے، تین دنوں تک غارِ ثور میں قیام کیا، پھر ۱/ ربیع الاول ۱۳ نبوی روز پیر کو آپ ﷺ غار ثور سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، سات دن سفر کرنے کے بعد آٹھویں روز ۸/ ربیع الاول روز پیر کو قباء پہنچے، وہاں چار دنوں تک قیام کیا اور ۱۲/ ربیع الاول روز جمعہ کو مدینہ تشریف لے گئے، یہی اقوال صحیح ہیں۔

(شرح الزرقانی: ۱۰۲/۲، ۱۵۰۔۱۵۴، سبل الهدی والرشاد: ۲۵۳/۳۔۲۶۹، رحمۃ للعالمین: ۱۰۹/۱، ۱۱۰، سیرۃ المصطفی: ۳۸۵/۱، عیون الاثر: ۳۱۱/۱۔۳۱۴)

چوتھا باب

ہجرت سے وفات تک کے سنہرے نقوش

انصار و مہاجرین میں مؤاخاۃ اور بھائی چارگی قائم کرنا

جو مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے ان کے پاس رہنے کے لئے نہ اپنا گھر تھا اور نہ ہی کسبِ معاش کا کوئی با قاعدہ انتظام تھا، اس لئے آپ ﷺ نے ہجرت کے پانچ مہینہ (یہی قول صحیح ہے) کے بعد انصار (مدینہ میں رہنے والے) اور مہاجرین (مکہ سے مدینہ آنے والے) کے درمیان مؤاخاۃ کا رشتہ قائم کردیا، جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ انصار و مہاجرین میں سے ایک ایک شخص کو بلاتے تھے اور ان دونوں سے کہتے تھے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہو، چنانچہ اس مؤاخاۃ کا اتنا اثر ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ حقیقی بھائی کی طرح رہنے لگے اور انصار نے اپنی پوری جائداد کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ اپنے مہاجر بھائی کو دیدیا۔

(شرح الزرقانی: ۱۹۲/۲، ۱۹۳، سبل الهدی والرشاد: ۳۶۳/۳، سیرۃ المصطفی: ۴۱۸/۱، سیرت النبی: ۲۰۵/۱)

مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ

مدینہ میں اکثر و بیشتر آبادی انصار کے قبیلۂ اُوس وخزرج کی تھی، مگر ایک طویل عرصہ سے یہاں یہود بھی کافی تعداد میں آباد تھے جن کے تین قبیلے بَنُو نَضِیر، بَنُو قَیْنُقَاع اور بَنُو قُرَیْظَه بہت مشہور تھے، یہود آپ ﷺ کو برحق سمجھتے تھے پھر بھی آپ ﷺ سے دشمنی کرتے تھے اور انصار کے مذکورہ بالا دونوں قبیلوں میں پھوٹ ڈالنے کی تاک میں رہتے تھے، اسی کے پیش نظر آپ ﷺ نے یہودیوں سے تقریباً ۱۴ر نکات پر معاہدہ کیا جن میں یہ معاہدہ بھی داخل تھا کہ مسلمان اور یہودی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے، نیز اگر مدینہ میں ان میں سے کسی ایک فریق پر کوئی شخص باہر سے آکر حملہ کرے گا تو دوسرا فریق حملہ آور کا ساتھ نہیں دیگا بلکہ اپنے فریق کی مدد کرے گا، لیکن یہودیوں کے کسی بھی قبیلہ نے اس معاہدہ کو نہیں نبھایا (جیسا کہ آگے آئیگا) اس لئے آپ ﷺ نے بَنُو نَضِیر اور بَنُو قَیْنُقَاع کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا اور بَنُو قُرَیْظَه کے لڑنے والے افراد کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔

(مستفاد از: سبل الهدی والرشاد: ۳۸۲/۳، سیرت النبی: ۲۱۳/۱، سیرۃ المصطفی: ۴۳۷/۱)

جہاد کی لغوی واصطلاحی تعریف

جہاد کے لغوی معنی کسی عمل میں خوب کوشش کرنے، جدوجہد کرنے اور مشقت اٹھانے کے آتے ہیں، قرآن وحدیث میں بھی بعض مقامات پر جہاد کو اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے، بلکہ شریعت میں بسااوقات جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت وعظمت کے پیش نظر ترغیب دینے کے لئے دوسری عبادات پر بھی مجازاً لفظ جہاد کا اطلاق کردیا گیا ہے، البتہ جہاد کا شرعی معنی اللہ تعالی کی خوشنودی کی خاطر اسلام کو غالب کرنے کے لئے دشمن سے قتل وقتال کرنے کا نام ہے، نیز ہر ایسا عمل جو قتل وقتال پر آمادہ کرے، مثلاً زبان اور قلم کے ذریعہ جہاد کی فضیلت واہمیت بیان کرنا یا مال کے ذریعہ مجاہدین کی امداد کرنا ان اعمال پر بھی جہاد کا ثواب ملتا ہے۔

(جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ: ۴۵، ۵۳، سیرۃ المصطفی: ۱۹/۲)

جہاد کی مشروعیت کا پس منظر اور اس کے مختلف مراحل

پہلا مرحلہ

نبوت ملنے کے بعد مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں مشرکینِ مکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے رہے، لیکن اس کے باوجود ان حالات میں بھی اللہ رب العزت کا یہی حکم تھا کہ مسلمان درگذر اور معافی سے کام لیں اور مشرکین کے سامنے خدا کے احکام بیان کرتے رہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ أَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينْ﴾ (سورۃ الأعراف: ۱۹۹) یعنی معاف کرنے کی عادت ڈالئے، نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ ہوجایا کیجئے، چنانچہ اس مرحلہ میں آپ ﷺ صحابہ کرام سے فرماتے تھے کہ مجھے عفوودرگذر کا حکم دیا گیا ہے، لہذا تم لوگ (مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرتے رہو، اور کفار سے) قتال نہ کرو۔

دوسرا مرحلہ

مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بھی مشرکین مکہ مسلمانوں کو تکلیف دینے کے درپے رہتے تھے اور مدینہ کے قریب آکر حملہ کرتے رہتے تھے، اس لئے اللہ تعالی نے ان کے ظلم سے بچنے کے لئے درج ذیل آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو ظالموں سے مقابلہ کرنے کی اجازت دی: ﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا، وَإِنَّ اللهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ﴾ (سورۃ الحج: ۳۹) یعنی

جن لوگوں سے کافر لڑائی کرتے ہیں، ان کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالی مسلمانوں کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

تیسرا مرحلہ

تیسرے مرحلہ میں جبکہ مشرکین اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی مستقل کوشش کرتے رہے تو اللہ رب العزت نے ظلم اور قتل و غارت گری کرنے والوں کے خلاف باقاعدہ جہاد کرنے کا حکم دیا اور مسلمانوں پر ظالموں سے مقابلہ (جہاد) کرنے کو فرض قرار دیا، ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا، إِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (سورة البقرة: ۱۹۰) ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور حد سے تجاوز مت کرو، بیشک اللہ تعالی حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

چوتھا مرحلہ

اس کے بعد جب اسلام کا بول بالا ہوا اور اسلام کی کرنوں سے مدینہ اور دیگر شہر منور ہو گیا تو ہجرت کے نویں سال چوتھے مرحلہ میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مستقل اس کام میں لگی رہے کہ وہ پوری دنیا میں اللہ تعالی کے احکام کو نافذ کرنے اور کفر و شرک کے غلبہ کو روکنے کی کوشش کریں، وہ مشرکین کو اولاً اپنے شہر میں اسلامی اور خدائی احکام کو نافذ کرنے کی دعوت دیں، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان کو چھوڑ دیں اور اگر وہ اسلام پر کفر و شرک کو ترجیح دیں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کے لئے کہیں (یعنی ان کے مال میں مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے واسطے ایک معمولی رقم طے کردی جائے، جس رقم کے بدلہ مسلمان ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کریں گے) اگر وہ لوگ جزیہ دینے پر تیار نہ ہوں تو ان سے اس بات پر معاہدہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش نہیں کریں گے، اگر وہ معاہدہ پر تیار ہو جائیں تو ان سے لڑائی نہ کریں، لیکن اگر وہ معاہدہ پر بھی تیار نہ ہوں تو پھر ان سے جہاد کریں تاکہ ان کی جانب سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ رہے۔ یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ

اگر کوئی غیر مسلم امن لیکر اسلامی حکومت میں آجاتا ہے تو ان سے لڑائی نہیں کی جاتی ہے، کیوں کہ ان سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

(مکمل تفصیل کے لئے دیکھئے تبلیغی جماعت حقائق اور غلط فہمیاں: ۸۹۔۹۵، سیرۃ المصطفی: ۹/۲۔۳۱)

جہاد کے اقسام

جہاد کی دو قسمیں ہیں: (۱) دفاعی جہاد (۲) اقدامی جہاد۔

دفاعی جہاد فرض عین اور اقدامی جہاد فرض کفایہ ہے۔ دفاعی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کی جان، مال یا عزت و آبرو پر حملہ ہو یا کسی آبادی میں کفار مسلمانوں پر غالب آجائے تو ان لوگوں میں سے ہر ایک پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، اگر ان کے اندر مقابلہ کی طاقت نہ ہو تو اس آبادی سے متصل جو مسلمان رہتے ہیں ان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، اس جہاد کے لئے امیر وغیرہ کی شرط نہیں ہے۔ اور اقدامی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی مستقل ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو پوری دنیا میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش میں مصروف رہیں، یہ جہاد قدرت، اسلامی حکومت اور امیر وغیرہ کی شرط کے ساتھ فرض کفایہ ہے۔

(سیرۃ المصطفی: ۲۸/۲، تبلیغی جماعت حقائق اور غلط فہمیاں: ۹۶)

جہاد کا مقصد

جہاد کا مقصد غیر مسلموں کو قتل کرنا نہیں ہے جیسا کہ بہت سارے لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ جہاد کا مقصد دنیا سے فتنہ و فساد کو ختم کرنا، روئے زمین پر اللہ تعالی کے عدل و انصاف پر مبنی قوانین کو نافذ کرنا اور پوری دنیا میں مذہب اسلام کو غلبہ اور عزت دلانا ہے، اس کی تائید حضرت ربیع بن عامر کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے رُستم کے دربار میں اسلامی جہاد کا مقصد بتلاتے ہوئے کہا تھا کہ ”ہمیں اللہ عز وجل نے اس لئے بھیجا ہے تا کہ ہم لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لگائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر انہیں آخرت کی وسعتوں سے ہمکنار کریں اور دیگر ادیان و مذاہب کے ظلم و ستم سے نکال کر انہیں اسلام کا سایہ عطا کریں۔

(سیرۃ المصطفی: ۳۲/۲، تبلیغی جماعت حقائق اور غلط فہمیاں: ۹۹)

جہاد کے سلسلہ میں غلط فہمیاں

غیر مسلم بالخصوص اہل مغرب جہاد (خصوصاً اقدامی جہاد) پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہاد کا یہ قانون دہشت گردی اور تشدد پر مبنی نظام ہے، کیوں کہ جہاد کا مقصد غیر مسلموں کو قتل کرنا اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ہے جو انصاف اور عقلی اعتبار سے درست نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ (اقدامی) جہاد کا مقصد مشرکین کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا نہیں ہے، بلکہ اس جدوجہد کا مقصد روئے زمین پر عدل وانصاف پر مبنی اسلامی احکام وقوانین کو نافذ کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ مشرکین کو اسلام قبول کرنے، پر امن معاہدہ کرنے، جزیہ دینے اور دارالاسلام میں امن لیکر رہنے؛ ان چار چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر جہاد کا مقصد اسلام پر مجبور کرنا یا غیر مسلموں کو قتل کرنا ہوتا تو پھر ان چیزوں کا اختیار نہیں دیا جاتا، بلکہ غیر مسلموں کو ہر حال میں اور ہر وقت قتل کرنے کا حکم دیا جاتا۔

(مستفاد از: تبلیغی جماعت: حقائق اور غلط فہمیاں: ۹۹، سیرۃ المصطفی: ۳۲/۲)

غزوہ اور سریہ کی تعریف اور ان کی تعداد

۱۔ غَـــزْوَہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں صحابۂ کرام کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ خود بھی شریک ہوئے ہوں اور سَـرِیَّہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ شریک نہیں ہوئے ہوں بلکہ صرف صحابۂ کرام نے شرکت کی ہو۔ غَزْوَہ کی جمع غَزَوات اور سَرِیَّہ کی جمع سَرایا آتی ہے۔

(شرح الزرقانی: ۲۲۰/۲)

۲۔ مشہور اور صحیح قول کے مطابق غزوات کی تعداد ۲۷ ؍ اور سرایا کی تعداد ۴۷ ؍ رہے۔

(المواہب مع الزرقانی: ۲۲۰/۲، عیون الاثر: ۳۵۳/۱)

۳۔ ۲۷ ؍ غزوات میں سے صرف ۹ ؍ غزوات ایسے ہیں جن میں باقاعدہ لڑائیاں ہوئیں، باقی ۱۸ ؍ غزوات ایسے ہیں جن میں لڑائی کی ضرورت نہیں پڑی۔

(المواہب مع الزرقانی: ۲۲۱/۲، سبل الہدی والرشاد: ۸/۴، عیون الاثر: ۳۵۳/۱)

۴۔ جن غزوات میں لڑائی ہوئی ان کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) غزوۂ بدر (۲) غزوۂ احد (۳) غزوۂ مُرَیسیع، اسی کا نام غزوۂ بنی مُصطَلِق ہے (۴) غزوۂ

خندق،اسی کانام غزوۂ احزاب ہے(۵)غزوۂ بنی قُرَیظہ(۶)غزوۂ خیبر(۷)فتح مکہ(۸)غزوۂ حُنَین (۹)غزوۂ طائف۔(المواہب مع الزرقانی:۲/۲۲۱،سبل الہدی والرشاد:۴/۸،سیرت ابن اسحاق:۲/۶۷۵)

۵۔ جن غزوات میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی ان کے نام درج ذیل ہیں:

(۱)غزوۂ اَبواء،اسی کانام غزوۂ وَدّان ہے(۲)غزوۂ بُواط(۳)غزوۂ سَفوان(۴)غزوۂ عُشَیرہ(۵)غزوۂ بنی سُلَیم،اسی غزوہ کانام قَرقَرۃُ الکُدْر ہے(۶)غزوۂ سَویق(۷)غزوۂ غَطَفان(۸)غزوۂ فُرُعْ،جوملک حجاز کے شہر بَحْران میں ہواتھا(۹)غزوۂ حمراء الأسد(۱۰)غزوۂ بنی نضیر وبنی قَینُقاع(۱۱)غزوۂ بدر اُخری،اسی کو بدر مَوعِد بھی کہا جاتا ہے(۱۲)غزوۂ دُومَۃُ الجَنْدَل (۱۳)غزوۂ بنی لِحیان (۱۴)غزوۂ حُدَیْبِیَہْ(۱۵)غزوۂ ذِی قَرَدْ(۱۶)غزوۂ ذاتُ الرِّقاع(۱۷)غزوۂ عُمْرَۃُ القضاء(۱۸)غزوۂ تبوک۔

(سبل الہدی والرشاد:۴/۸،سیرت ابن اسحاق:۲/۶۷۴)

غزوۂ بدْر کا مختصر تذکرہ

غزوۂ بدر صحیح اور مشہور قول کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال ۱۷/رمضان المبارک روز جمعہ کو ہوا۔(سبل الہدی والرشاد:۴/۷۹،زرقانی:۲/۲۶۲)جس کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

ہجرت کے دوسرے سال آپ ﷺ کو خبر ملی کہ ابوسفیان کی قیادت میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ ملک شام سے واپس آرہا ہے،جس میں قریش کے ہر مرد وعورت نے اپنا سرمایہ لگایا ہے جس کی مقدار تقریباً پچاس ہزار دینار ہے(مسلمان چونکہ مکہ میں کفار کے ظلم وستم کو دیکھ چکے تھے اس لیے وہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ اگر قریش کی معیشت مضبوط ہوگئی تو وہ اسلام کو مٹانے میں ذرہ برابر تامل نہیں کریں گے)چنانچہ آپ ﷺ صحابۂ کرام کے ساتھ اس قافلہ کے تعاقب میں نکل پڑے۔

(سبل الہدی والرشاد:۴/۱۸،المواہب مع الزرقانی:۲/۲۶۲،کتاب المغازی:۱/۲۷)

جب ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ مسلمان اس کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے آرہے ہیں،تو اس نے ضَمضَم بن عمرو غِفاری کو اجرت دیکر مکہ بھیجا،تاکہ وہ قریش کو ان حالات سے آگاہ کردے،چنانچہ

ضمضم غفاری مکہ آیا اور اس نے قریش کو اس کی خبر دی، اس خبر کی اطلاع ملتے ہی مکہ میں کہرام مچ گیا، اور ابو جہل کی قیادت میں ایک ہزار کا لشکر اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے مکہ سے روانہ ہوا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱۹/۴، المواہب مع الزرقانی: ۲۶۳/۲، عیون الاثر: ۳۷۸/۱)

دوسری طرف ابوسفیان نے راستہ بدل لیا اور بدر کے علاقہ کو بائیں جانب چھوڑتے ہوئے سمندر کے راستہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوگیا، جب ابوسفیان نے اپنے قافلہ کو محفوظ سمجھ لیا تو ابوجہل کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم صحیح سلامت بچ کر نکل گئے ہیں، اس لئے اب تم لوگ بھی واپس ہو جاؤ، یہ سن کر ابوجہل نے کہا کہ ہم واپس نہیں ہوں گے، بلکہ بدر جائیں گے (جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا) وہاں تین دن ٹھہریں گے، جانور ذبح کریں گے، شراب پئیں گے اور عورتیں ہمارے سامنے گائیں گی، اس کے بعد ہم واپس آئیں گے، ابوجہل کو اس کی قوم میں سے بھی بہت سارے لوگوں نے واپس لوٹنے کے لئے کہا، لیکن اس نے کسی کی بات نہیں مانی حتی کہ وہ مقام بدر پہنچ گیا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۲۸/۴، تاریخ طبری: ۴۳۸/۲، سیرت ابن ہشام: ۲۶۱/۲، البدایہ والنہایہ: ۵۰/۴)

آپ ﷺ جب مقام ''روحاء'' پہنچے تو آپ ﷺ کو ابوسفیان کے بچ جانے اور ایک ہزار کفار کے مقام بدر تک پہنچ جانے کی اطلاع ملی، کفار کی اس جماعت کا چوں کہ آپ ﷺ اور صحابۂ کرام کو پہلے سے کوئی علم نہیں تھا اور نہ ہی مسلمان مدینہ سے جنگ کی تیاری کے ساتھ نکلے تھے اس لئے آپ ﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کہ ہمیں واپس مدینہ جانا چاہئے یا ہمیں ان کفار سے قتال کرنا چاہئے؟ چنانچہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت مقداد بن اسود اور حضرت سعد بن معاذ نے آپ ﷺ کے سامنے یکے بعد دیگرے بڑی جاں نثارانہ بات کہی، جس سے آپ ﷺ کو بے حد خوشی ہوئی اور آپ ﷺ انہیں ساتھیوں کے ساتھ مقام بدر پہنچ گئے۔

(تاریخ طبری: ۴۳۴/۲، المواہب مع الزرقانی: ۲۶۴/۲، سبل الہدی والرشاد: ۲۵/۴، طبقات ابن سعد: ۱۴/۲)

اگلے دن حق و باطل کی پہلی عظیم جنگ شروع ہوئی، صحابۂ کرام نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دنیا آج تک ان کی شجاعت کی مثال دیتی ہے، صحابۂ کرام کے ساتھ حضرت جبرئیل کی معیت میں گھوڑے پر سوار ہوکر فرشتے بھی لڑ رہے تھے، بالآخر قریش کو زبردست شکست

ہوئی، ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ اور امیہ بن خلف وغیرہ کل ۷۰؍کفار اس جنگ میں مارے گئے اور ۷۰؍کفار قید ہوئے۔(سیرۃ المصطفیٰ:۲/۸۷-۱۰۳ بتصرف)

مدینہ پہنچنے کے بعد قیدیوں کے سلسلہ میں مشورہ ہوا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ وغیرہ کی رائے تھی کہ ان کو قتل کردیا جائے یا جلا دیا جائے، لیکن آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر کی رائے تھی کہ فدیہ لیکر ان کو چھوڑ دیا جائے، چنانچہ اسی رائے کے مطابق فیصلہ ہوا، جن لوگوں نے فدیہ کی رقم ادا کی ان کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا، اور جن کے پاس پیسے نہیں تھے ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ انصار کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے، اس کے بعد مکہ چلا جائے۔(سبل الہدیٰ والرشاد:۴/۶۰،۶۹) ان قیدیوں میں سے صرف ۲؍آدمی نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا گیا، چوں کہ یہ دونوں نہایت شریر اور بدمعاش تھے۔(سیرۃ المصطفیٰ:۲/۱۰۶)

فائدہ(۱) مدینہ منورہ سے ۱۵۵؍اور مکہ سے ۳۱۰؍کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک کنواں تھا جو بدر کے نام سے جانا جاتا تھا، اسی مناسبت سے اس کنویں سے متصل آبادی کو بھی بدر کہا جانے لگا۔
(نقوش پائے مصطفیٰ:۱۲۹)

فائدہ(۲) غزوۂ بدر میں مشہور قول کے مطابق مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳؍تھی، جن کے پاس ۲؍گھوڑے اور ۷۰؍اونٹ تھے، جبکہ کافروں کا لشکر ایک ہزار کا تھا، جن کے پاس ۱۰۰؍گھوڑے اور ۷۰۰؍اونٹ تھے۔(المواہب مع الزرقانی:۲/۲۵۸-۲۶۱) اس جنگ میں ۱۴؍مسلمان شہید اور ۷۰؍کفار قتل کئے گئے، نیز ۷۰؍کفار قید ہوئے۔(المواہب:۱/۳۷۳، طبقات ابن سعد:۲/۱۶)

غزوۂ بنی قَینُقاع کا مختصر تذکرہ

غزوۂ بنی قَینُقاع صحیح قول کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال شوال کی ۱۵؍تاریخ روز سنیچر کو ہوا۔(المواہب مع الزرقانی:۲/۳۴۹، طبقات ابن سعد:۲/۲۶) اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

بَنُو قَینُقاع کے محلّہ میں ایک یہودی کی دکان میں ایک انصاری صحابی کی بیوی نقاب پوش گئی، دکان دار نے اس کی بے حرمتی کی اور اس کا ستر کھولدیا، جو یہودی وہاں موجود تھے وہ اس یہودی کو روکنے کے بجائے ہنسنے لگے، اس عورت نے مدد کے لئے آواز لگائی تو ایک صحابی نے

آگے بڑھ کر اس یہودی کو قتل کر دیا، اس کے بعد وہاں موجود یہودیوں نے اس صحابی کو قتل کر دیا۔
(سبل الہدی والرشاد:۴/۱۷۹، عیون الاثر:۱/۴۴۴، المواہب مع الزرقانی:۲/۳۵۰، سیرت ابن ہشام:۳/۱۰)

آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو بَنُو قَینُقاع کے یہاں تشریف لے گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے، غزوۂ بدر سے عبرت حاصل کرنے اور دین اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی، یہ سن کر وہ لوگ معافی مانگنے کے بجائے غصہ میں آگئے اور کہا کہ ہمیں قریش مت سمجھنا، جب ہم سے مقابلہ ہوگا تو ہم بتادیں گے کہ لڑائی کس طرح کی جاتی ہے؟ اور وہ لوگ جنگ کے لئے تیار ہوگئے، چوں کہ یہ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی تھی اس لئے آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کے ساتھ ان کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ (سبل الہدی والرشاد:۴/۱۷۹، عیون الاثر:۱/۴۴۴)

۱۵/ دنوں تک ان کے قلعہ کا محاصرہ جاری رہا، بالآخر وہ لوگ اس بات پر راضی ہوگئے کہ وہ اپنا مال واسباب چھوڑ کر مدینہ سے باہر چلے جائیں گے، چنانچہ وہ لوگ مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے، ان میں سے بعض خیبر اور بعض ملک شام چلے گئے، ان یہودیوں کی کل تعداد سات سو تھی۔
(عیون الاثر:۱/۴۴۵، طبقات ابن سعد:۲/۲۶، المواہب مع الزرقانی:۲/۳۴۹، سیرت النبی:۱/۲۷۷)

فائدہ: بنوقَینُقاع کا علاقہ مدینہ منورہ سے تقریبا تین میل کے فاصلہ پر مدینہ کے جنوب مغرب میں قُباء کے قریب واقع ہے۔ (نقوش پائے مصطفیٰ:۹۲، ۱۳۹)

غزوۂ اُحُد کا مختصر تذکرہ

غزوۂ اُحُد صحیح قول کے مطابق ہجرت کے تیسرے سال ۱۱/ شوال المکرّم روز سنیچر کو ہوا۔ (المواہب مع الزرقانی:۲/۳۸۹) اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

بدر میں بری طرح شکست کھانے کے بعد قریش جب مکہ پہنچے تو انہوں نے پھر سے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی، اس مقصد کے لئے ان لوگوں نے ''دار الندوہ'' میں ایک میٹنگ رکھی، جس میں یہ طے ہوا کہ ابوسفیان بن حرب کے تجارتی قافلہ میں جو لوگ اپنا سرمایہ لگائے تھے ان کو صرف اصل سرمایہ دیا جائے اور جو منافع ہوا ہے (جس کی مقدار پچیس ہزار دینار تھی) اس کو مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں خرچ کیا جائے، چنانچہ سبھوں نے اس رائے سے اتفاق

کیا اور حملہ کی تیاری شروع کردی۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۸۲/۴، طبقات ابن سعد:۳۳/۲، زرقانی:۳۹۰/۲، کتاب المغازی:۱۹۹/۱، عیون الاثر:۶/۲)

تیاری مکمل ہونے کے بعد ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر مکہ سے روانہ ہوا، جن میں ۱۵؍عورتیں بھی ساتھ تھیں، تاکہ میدان جنگ میں لڑنے والوں کو جوش دلائیں اور وہاں سے بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں۔ (سبل الہدی والرشاد:۱۸۲/۴، ۱۸۳، طبقات ابن سعد:۳۴/۲)

آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو صحابۂ کرام سے مشورہ کیا، منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سَلُول کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نہ نکلا جائے بلکہ جب قریش مدینہ میں داخل ہوں تو ان پر اچانک حملہ کردیا جائے، یہی رائے آپ ﷺ کی بھی تھی اور یہی مناسب بھی تھا، اس کے برعکس بعض نوجوان صحابہ خصوصا جو لوگ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے ان کا اصرار یہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان سے مقابلہ کیا جائے، بالآخر آپ ﷺ بھی تیار ہوگئے اور ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۸۵/۴، کتاب المغازی:۲۱۰/۱، سیرت ابن ہشام:۲۶/۱، عیون الاثر:۸/۲)

آپ ﷺ جب احد اور مدینہ کے درمیان مقام شَوْط میں پہنچے تو عبداللہ بن ابی بن سَلُول اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر سے یہ کہتے ہوئے جدا ہوگیا کہ آپ ﷺ نے ہمارے مقابلہ میں نوجوانوں کی بات مانی ہے، لہذا ہم اپنی جانوں کو بلاوجہ ہلاکت میں نہیں ڈالیں گے، اس کے بعد آپ ﷺ سات سو صحابۂ کرام کے ساتھ احد پہاڑ کی ایک وادی میں اترے، اور جہاد کے لئے اس طرح صفیں لگائیں کہ لشکر کے پشت کی جانب احد پہاڑ تھا۔

(البدایہ والنہایہ:۱۷۸/۴، سبل الہدی والرشاد:۱۸۵/۴۔۱۸۸، سیرت ابن ہشام:۲۷/۱)

جنگ شروع ہونے سے پہلے آپ ﷺ نے عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کو احد پہاڑ پر مقرر کردیا، تاکہ وہ پشت کی جانب سے لشکر کی حفاظت کریں اور انہیں یہ تاکید کردی کہ مسلمان غالب آئیں یا شکست کھائیں لیکن اس جگہ کو نہیں چھوڑنا ہے۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۹۰/۴، عیون الاثر:۱۱/۲)

بالآخر جنگ شروع ہوئی اور مسلمان اتنی بہادری کے ساتھ لڑے کہ تھوڑی ہی دیر میں

دشمن بھاگنے پر مجبور ہوگئے اور مسلمانوں کو فتح مل گئی، یہ صورت حال دیکھ کر تیر انداز پہاڑ سے اتر گئے اور وہاں صرف دس آدمی رہ گئے، حضرت خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے جب اس جگہ کو خالی دیکھا تو اسی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور کفار کو لشکر کے سامنے کی جانب سے حملہ کرنے کا حکم دیا، اس طرح مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔

(طبقات ابن سعد: ۳۹/۲، سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۹۵/۴، عیون الاثر: ۱۹/۲)

مشرکین کے اس ناگہانی اور یکبارگی حملہ سے مسلمان منتشر ہوگئے، حتی کہ آپ ﷺ کے ساتھ صرف ۱۴ر صحابہ رہ گئے، کفار نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ پر لگاتار حملہ کر دیا جس کے سبب آپ ﷺ کے دانت شہید ہوگئے، پیشانی پر گہرا زخم لگا، خود کی دو کڑیاں آپ ﷺ کے چہرہ میں گھس گئیں، آپ ﷺ کا پورا چہرہ لہولہان ہوگیا اور آپ ایک گڑھے میں گر گئے، حضرت علی بن ابی طالب اور طلحہ بن عبید اللہ نے آپ ﷺ کو گڑھے سے نکالا۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۹۱/۴، طبقات ابن سعد: ۴۰/۲، عیون الاثر: ۲۱/۲، سیرت ابن ہشام: ۴۳/۳)

اسی درمیان آپ ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی جس کی وجہ سے صحابۂ کرام مزید بدحواس ہوگئے، حسنِ اتفاق کہ حضرت کعب بن مالک نے آپ ﷺ کو پہچان لیا اور بلند آواز سے آپ ﷺ کے زندہ ہونے کی بشارت سنائی، یہ سن کر تمام صحابۂ کرام پھر سے جمع ہوئے اور آپ ﷺ کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال لائے، اس کے بعد لڑائی بند ہوگئی۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۲۰۷/۴، سیرت ابن ہشام: ۴۶/۳)

فائدہ: غزوۂ احد میں مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی، جن میں سے تین سو منافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کے ساتھ واپس ہوگئے تھے اور جنگ کے وقت صرف سات سو مسلمان بچ گئے تھے، مسلمانوں کے پاس اس جنگ میں صرف ۲ر گھوڑے تھے، جبکہ کفار کی تعداد دس ہزار تھی، جن میں سات سو آدمی زرہ پہنے ہوئے تھے، دو سو آدمی گھوڑے پر سوار تھے اور قافلہ میں تین ہزار اونٹ تھے۔

(المواہب مع شرح الزرقانی: ۴۰۰/۲، کتاب المغازی: ۲۰۳/۱، سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۸۲/۴، ۱۸۳)

اس جنگ میں ۷۰ر صحابۂ کرام شہید ہوئے اور ۲۲ر کفار قتل کیے گئے۔ (طبقات ابن سعد: ۴۰/۲)

فائدہ: مدینہ منورہ سے شمال کی جانب مسجد نبوی سے ساڑھے پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر اُحد پہاڑ واقع ہے جس کی لمبائی ۶ر کلومیٹر ہے۔ (مناسک حج اور مقامات مقدسہ: ۱۸۸)

غزوۂ بنی نَضِیر کا مختصر تذکرہ

غزوہ بنی نضیر کی تاریخ میں اختلاف ہے، محمد بن اسحاق کے نزدیک یہ غزوہ ہجرت کے چوتھے سال ربیع الاول کے مہینہ میں غزوۂ احد کے ۵/ ماہ بعد پیش آیا، بعض نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے، اس کے برعکس امام زہری عروہ سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ بدر کے ۶/ ماہ بعد پیش آیا۔ اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

(البدایہ والنہایہ: ۲۵۸/۴، عیون الاثر: ۴۳/۲، سبل الہدی والرشاد: ۳۳۰/۴، المواہب مع الزرقانی: ۵۰۵/۲)

ایک مرتبہ ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ نے قبیلہ بنو عامر کے دو لوگوں کو قتل کر دیا، حالاں کہ آپ ﷺ اور اس قبیلہ کے درمیان معاہدہ تھا کہ کوئی فریق کسی کو قتل نہیں کرے گا (مگر اس صحابی کو اس کا علم نہیں تھا) چنانچہ خون بہا کی رقم کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لئے آپ ﷺ اپنے حَلِیف بنو نضیر کے محلّہ میں تشریف لے گئے (چوں کہ بنو نضیر آپ ﷺ کے حلیف تھے اس لئے خون بہا کی آدھی رقم ان کے ذمہ لازم تھی) بنو نضیر نے آپ ﷺ کو ایک جگہ بیٹھا دیا اور عمرو بن جَحَّاش کو حکم دیا کہ وہ بالا خانہ پر چڑھ کر ایک بھاری پتھر آپ ﷺ پر گرا دے، آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ اس سازش کا علم ہو گیا اور آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے آئے۔

(مستفاد از: المواہب مع الزرقانی: ۵۰۷/۲، سبل الہدی والرشاد: ۳۱۸/۴، عیون الاثر: ۴۳/۲، طبقات ابن سعد: ۵۳/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۵۹/۴، سیرت ابن ہشام: ۱۴۳/۳، سیرت ابن اسحاق: ۳۸۲/۱)

اس کے بعد آپ ﷺ ان کی شرارت ختم کرنے کے لئے چند صحابۂ کرام کے ساتھ بنو نضیر کی طرف روانہ ہوئے، ان لوگوں نے مسلمانوں کو دیکھ کر قلعہ بند کر لیا، آپ ﷺ نے ۶/ یا ۱۵/ دنوں تک ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا، بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہو گئے کہ وہ مدینہ سے باہر چلے جائیں اور ہتھیار کے علاوہ اپنے ساتھ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں، چنانچہ وہ لوگ ساز و سامان کے ساتھ مدینہ سے نکل کر خیبر اور شام کی طرف چلے گئے۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳۲۱/۴، عیون الاثر: ۴۴/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۵۹/۴، المواہب مع الزرقانی: ۵۱۷/۲)

فائدہ: مدینہ منورہ سے جنوب مشرق میں مسجد نبوی سے تقریباً ساڑھے ۳/ کلومیٹر کے فاصلہ پر بنو نضیر کی بستی آباد تھی۔ (نقوش پائے مصطفیٰ: ۱۶۰)

غزوۂ خندق کا مختصر تذکرہ

غزوۂ خندق (جس کا نام غزوۂ احزاب بھی ہے) صحیح قول کے مطابق ہجرت کے پانچویں سال شوال کے مہینہ میں ہوا۔ (شرح الزرقانی: ۳/۱۸، ۱۹، سبل الہدی والرشاد: ۴/۳۹۶)

اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

۵ھ میں یہود کے چند سردار قریش کے پاس مکہ آئے اور ان کو آپ ﷺ سے جنگ کرنے کی دعوت دی اور ان سے کہا کہ ہم تمہارا اس وقت تک ساتھ دیں گے جب تک کہ اس سرزمین سے سارے مسلمانوں کو ختم نہ کردیں، یہود کے اس حوصلہ کو دیکھ کر قریش بھی تیار ہوگئے اور ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں کفار اور یہود جنگ کے واسطے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔

(شرح الزرقانی: ۳/۲۱، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۸۳، الفصول فی سیرۃ الرسول: ۱۴۲، سیرت ابن ہشام: ۳/۱۲۶)

آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا؛ تاکہ اس خندق میں محفوظ رہ کر تیروں کے ذریعہ دشمنوں پر حملہ کیا جائے، آپ ﷺ کو بھی یہ رائے پسند آئی اور مدینہ سے تین میل کی دوری پر سَلَعْ نامی پہاڑ کے دامن میں اس طرح خندق کھودنے کا حکم دیا کہ پہاڑ لشکر کی پشت کی جانب ہو اور خندق لشکر کے سامنے ہو، اس کے بعد آپ ﷺ اور صحابۂ کرام خندق کھودنے میں مصروف ہوگئے، حتی کہ مشہور قول کے مطابق چھ دنوں میں (زرقانی: ۳/۳۳) خندق کی کھدائی مکمل ہوگئی۔

(سبل الہدی والرشاد: ۴/۳۶۴، ۳۶۵، طبقات ابن سعد: ۲/۶۳، عیون الاثر: ۲/۸۷)

خندق کی کھدائی کے درمیان صحابۂ کرام یہ شعر پڑھتے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے مرتے دم تک جہاد کرنے کی آپ ﷺ سے بیعت کی ہے۔ اور آپ ﷺ ان کے جواب میں یہ ارشاد فرماتے تھے:

أَللّٰهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الآخِرَة فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَة

ترجمہ: اے اللہ! بیشک آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے، لہذا آپ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادیجئے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۶۷، شرح الزرقانی: ۳/۲۵)

ابوسفیان کا لشکر جب مدینہ کے قریب پہنچا تو خندق دیکھ کر حیران ہوگیا اور اسی کے قریب پڑاؤ ڈالدیا، صحیح قول کے مطابق پندرہ دنوں تک (زرقانی:۶۴/۳) وہ لوگ وہیں رکے رہے حتی کہ ان کے کھانے پینے کی چیزیں ختم ہوگئیں اور صحابۂ کرام بھی پریشان حال ہوگئے، بالآخر اللہ تعالی کی مدد شامل حال ہوئی اور ایک رات ایسا طوفان آیا کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے، ان کی دیگچیاں چولہوں سے الٹ گئیں اور ان کے درمیان اختلاف وانتشار پیدا ہوگیا، جس کی وجہ سے وہ لوگ واپس آگئے۔

(سبل الہدی والرشاد:۳۸۳/۴، ۳۹۰، شرح الزرقانی:۳۴/۳۔۵۶، المواہب:۴۵۷/۱)

فائدہ: غزوۂ خندق میں صحیح قول کے مطابق مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی جن کے پاس ۳۶ر گھوڑے تھے، اور کفار کی تعداد دس ہزار تھی، جن کے پاس ۳۰۰ر گھوڑے اور ۱۵۰۰ر اونٹ تھے۔ (شرح الزرقانی:۲۲/۳، ۲۳، سبل الہدی والرشاد:۳۶۴/۴) اس غزوہ میں ۶ر یا ۸ر مسلمان شہید ہوئے اور ۳ر کفار قتل کئے گئے۔ (زرقانی:۶۵/۳، سبل الہدی والرشاد:۳۹۰/۴)

غزوۂ بنی قُرَیظَہ کا مختصر تذکرہ

غزوۂ بنی قُرَیظَہ صحیح قول کے مطابق ہجرت کے پانچویں سال ۲۳ر ذیقعدہ روز بدھ کو ہوا۔ (طبقات ابن سعد:۷۰/۲) اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

غزوۂ خندق کے موقع سے بنوقریظہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مشرکین کا ساتھ دیا، اور اس کے بعد بنونضیر کے سردار حُیَیْ بن أخْطَبْ کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کرنے لگے۔ (البدایہ والنہایہ:۳۱۲/۴، رحمۃ للعالمین:۱۴۸/۱، سبل الہدی والرشاد:۳/۵)

آپ ﷺ جب غزوۂ خندق سے فارغ ہوئے تو ۲۳ر ذیقعدہ روز بدھ کو صحابۂ کرام کے ساتھ بنوقریظہ کی طرف روانہ ہوئے، یہودیوں نے جب مسلمانوں کو اپنے قلعہ کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کو برا بھلا کہا اور قلعہ بند ہوگئے۔

(عیون الاثر:۱۰۴/۲، تاریخ طبری:۵۸۲/۲، المواہب علی الزرقانی:۶۹/۳، طبقات ابن سعد:۷۰/۲)

مشہور قول کے مطابق آپ ﷺ نے ۲۵ر دنوں تک ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا، بالآخر وہ لوگ اس بات پر راضی ہوگئے کہ ان کے حلیف قبیلۂ اَوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں گے وہ ان کو منظور ہوگا، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ نے یہود کی کتاب توریت کے مطابق

یہ فیصلہ کیا کہ بنوقریظہ کے جولوگ لڑائی کے لائق ہیں ان کو قتل کر دیا جائے، ان کے بچوں اوران کی عورتوں کو گرفتار کرلیا جائے اوران کے مال واسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۵، سیرت ابن ہشام: ۱۸۹/۳، البدایہ والنہایہ: ۳۱۹/۴، عیون الاثر: ۱۰۵/۲، تاریخ طبری: ۵۸۸/۲، طبقات ابن سعد: ۷۱/۲)

یہ فیصلہ چوں کہ یہودیوں کی آسمانی کتاب توریت کے مطابق تھا اس لئے ان کو یہ فیصلہ قبول کرنا پڑا۔ (سیرت النبی: ۲۹۶/۱، رحمۃ للعالمین: ۱۴۸/۱)

فائدہ: اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد ۳/ ہزار تھی جن کے پاس ۳۶/ گھوڑے تھے اور یہودیوں کی تعداد ۹۰۰/ تھی، اس غزوہ میں ۲/ مسلمان شہید اور صحیح قول کے مطابق ۴۰۰/ یہودی قتل کئے گئے۔ (عیون الاثر: ۱۰۴/۲، ۱۱۳، سبل الہدی والرشاد: ۲۰/۵)

فائدہ: مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں مسجد نبوی سے ۴/ کلومیٹر کی دوری پر بنوقریظہ کی آبادی تھی، آج کل وہ علاقہ جبل قریظہ کے نام سے مشہور ہے۔ (نقوش پائے مصطفیٰ: ۱۷۸)

غزوۂ مُرَیسیع (غزوۂ بنی المُصطلِق) کا مختصر تذکرہ

غزوۂ مُرَیسیع (جس کا دوسرا نام غزوۂ بنی المُصطلِق ہے) صحیح قول کے مطابق ہجرت کے پانچویں سال ۲/ شعبان روز پیر کو ہوا۔ (المواہب مع الزرقانی: ۴/۳، کتاب المغازی: ۴۰۴/۱)

اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

مُرَیسیع ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ سے ۹/ منزل کی دوری پر ہے، اس چشمہ کے قریب قبیلہ "بنوخُزاعہ" کی ایک شاخ "بنوالمُصطلِق" آباد تھے جس کا سردار حارث بن ابی ضِرار تھا، رسول اکرم ﷺ کو خبر ملی کہ حارث بن ابی ضرار مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس خبر کی تحقیق کے لئے حضرت بُریدہ بن حُصَیب اُسلمی کو "مُرَیسیع" بھیجا، انہوں نے خبر کی تصدیق کر دی، اس کے بعد رسول اکرم ﷺ چند صحابہ کرام کے ساتھ مریسیع کے لئے روانہ ہوئے، جب حارث کو آپ ﷺ کی روانگی کا علم ہوا تو وہ وہاں سے بھاگ گیا، البتہ جو لوگ مریسیع میں آباد تھے وہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور مسلمانوں پر تیر برسانے لگے، اس لئے مسلمانوں نے بھی لڑائی شروع کر دی، بالآخر تھوڑی ہی دیر میں مسلمان غالب آ گئے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: عیون الاثر:۲/۱۳۵، المواہب مع شرح الزرقانی:۳/۴۔۸، طبقات ابن سعد:۲/۵۹، کتاب المغازی:۱/۴۰۴، سبل الہدی والرشاد:۴/۳۴۴، سیرت ابن ہشام:۳/۲۳۵، البدایہ والنہایہ:۴/۳۶۵، سیرت ابن اسحاق:۲/۴۳۹، سیرت النبی:۱/۲۸۳، سیرۃ المصطفی:۲/۲۶۷)

فائدہ: اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد ۳۰ رتھی جن میں سے ہر ایک کے پاس گھوڑے تھے، صرف ار مسلمان شہید ہوئے۔ (سبل الہدی والرشاد:۴/۳۴۴،۳۴۵، المواہب مع الزرقانی:۳/۵،۸)

مسلمانوں کے برعکس کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس کے باوجود ان میں سے ۱۰ر کفار قتل کئے گئے اور ۶۰۰ر افراد پر مشتمل ۲۰۰ر گھرانے کو گرفتار کیا گیا، پھر بعد میں ان میں سے ہر ایک کو چھوڑ دیا گیا جیسا کہ حضرت جویریہ کے تذکرہ میں آئیگا، نیز مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بھی ملیں۔ (طبقات ابن سعد:۲/۶۰، سبل الہدی والرشاد:۴/۳۴۶)

صلح حُدَیبِیَہ کا مختصر تذکرہ

ہجرت کے چھٹے سال ذیقعدہ کے مہینہ میں پیر کے دن آپ ﷺ عمرہ کی نیت سے ۱۴۰۰ر مسلمانوں کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہوئے، مسلمان مدینہ ہی سے احرام باندھ کر نکلے تاکہ اہل مکہ کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ جنگ کرنے کے لئے مکہ آرہے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ:۴/۳۷۶)

آپ ﷺ جب مقام "عُسْفَانْ" پہنچے تو یہ خبر ملی کہ قریش کو مسلمانوں کی روانگی کا علم ہو گیا ہے اور وہ لوگ اپنے بچوں اور اپنی عورتوں کے ساتھ مکہ سے نکل کر مقام "ذِی طُوٰی" تک آگئے ہیں، نیز ان کا ایک دستہ خالد بن ولید کی قیادت میں لشکر سے آگے "کُراعُ الْغَمِیْمْ" تک پہنچ گیا ہے، تاکہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں۔

(البدایہ والنہایہ:۴/۳۷۶، سیرت ابن اسحاق:۲/۴۵۴، سبل الہدی والرشاد:۵/۳۶،۳۷)

آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے راستہ بدل لیا اور مکہ سے ۹ر میل کی دوری پر مقام حُدَیبِیَہ میں پڑاؤ ڈالدیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے خِراش بن اُمیہ کو اہل مکہ کے پاس بھیجا، تاکہ وہ اہل مکہ سے بتائیں کہ مسلمان صرف عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں، جنگ کرنے کی نیت سے نہیں آئے ہیں، لہذا انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے، حضرت خراش مکہ آئے لیکن بات نہیں بنی اور وہ واپس ہو گئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان کو مکہ بھیجا۔

(طبقات ابن سعد:۲/۹۲، سیرت ابن اسحاق:۲/۴۵۹، سبل الہدی والرشاد:۵/۴۶)

حضرت عثمان بن عفان مکہ آئے اور مسلمانوں کے لئے عمرہ کی اجازت چاہی، لیکن کفار نے اجازت نہیں دی، البتہ ان لوگوں نے حضرت عثمان کو تنہا طواف کرنے کی اجازت دیدی، حضرت عثمان نے کہا کہ میں آپ ﷺ کے بغیر طواف نہیں کرسکتا، یہ سن کر قریش غصہ میں آگئے اور آپ کو قید کردیا، اس کے بعد یہ خبر پھیل گئی کہ عثمان شہید کردیئے گئے ہیں، آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو صحابۂ کرام سے حضرت عثمان کا بدلہ لینے، کفار سے قتال کرنے اور میدان جنگ سے پشت پھیر کر نہ جانے پر بیعت لی، چنانچہ تمام صحابۂ کرام نے ان چیزوں کا عہد کیا، اللہ رب العزت کو یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالی نے اس سلسلہ میں قرآن کی آیات نازل کیں جن میں اللہ تعالی نے بیعت کرنے والوں کو اپنی رضا کی بشارت سنائی، اسی لئے اس بیعت کو "بیعت رضوان" کہا جاتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۶۹/۴، سیرت ابن اسحاق: ۴۶۰/۲، سبل الہدی والرشاد: ۴۷/۵-۴۹)

اہل مکہ کو جب اس بیعت کی خبر ہوئی تو ان کے اندر خوف پیدا ہو گیا اور درج ذیل شرطوں پر صلح کی پیش کش کردی (۱) دس سال تک ہم لوگ آپس میں لڑائی نہیں کریں گے (۲) قریش میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ جائے گا اس کو مکہ واپس کردیا جائے گا، اگر چہ وہ مسلمان ہوکر جائے (۳) مدینہ سے اگر کوئی مسلمان مکہ آئے گا تو اس کو مدینہ واپس نہیں بھیجا جائے گا (۴) مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس ہوجائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں، نیز صرف ۳ر دنوں تک مکہ میں قیام کریں، ان تین دنوں میں مکہ والے شہر خالی کرکے باہر نکل جائیں گے، مسلمان تلوار کے علاوہ کوئی اور ہتھیار ساتھ میں نہ لائیں اور تلوار بھی نیام میں ہو (۴) جو قبیلہ اس صلح نامہ میں جس فریق کے ساتھ ہونا چاہے وہ اس فریق کے ساتھ ہوسکتا ہے، چنانچہ اس معاہدہ کے بعد بَنُو خُزاعَة مسلمانوں کے اور بَنُو بَکْر کفار کے ساتھ ہوگئے۔

(مختصر سیرت نبوی: ۲۰۰، سیرت مصطفیٰ: ۳۴۵/۲، المواہب مع الزرقانی: ۲۲۱/۳، سیرت ابن اسحاق: ۴۶۲/۲)

آپ ﷺ چوں کہ امن چاہتے تھے اس لئے اس صلح نامہ کو قبول کرلیا اور مسلمان عمرہ کئے بغیر حدیبیہ سے واپس ہوگئے، راستہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں اس صلح کو "فَتْحِ مُبِیْن" کہا گیا۔ (طبقات ابن سعد: ۹۴/۲) کیوں کہ اس صلح نامہ کی وجہ سے مسلمان جنگ سے محفوظ ہوگئے اور اللہ کی عبادت کرنے نیز اسلام کی تبلیغ کرنے کا خوب موقع ملا۔

فائدہ: مکہ سے شمال مغربی جانب تقریبا ۲۰ر کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک کنواں تھا جو حدیبیہ

کے نام سے جانا جاتا تھا، اسی مناسبت سے اس کنویں سے متصل آبادی کو بھی حدیبیہ کہا جانے لگا۔
(نقوش پائے مصطفیٰ:۱۹۰)

بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط

صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمان لڑائی سے مامون ہوگئے تو آپ ﷺ نے ۶ ھ ماہ ذی الحجہ میں مختلف بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط بھیجے، چنانچہ حضرت عمرو بن امیہ ضَمری کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی، حضرت حاطب بن ابی بَلتَعہ کو مصر کے بادشاہ مُقَوقِس، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو فارس کے بادشاہ ِکسری، حضرت دِحیہ کلبی کو روم کے بادشاہ قیصر، حضرت علاء بن حَضرمی کو بحرین کے حاکم مُنذِر بن ساوِی کے پاس اور کچھ صحابۂ کرام کو دیگر بادشاہوں کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔
(البدایہ والنہایہ:۴/۳۹۵، خصائل مصطفیٰ:۸۷، عیون الاثر:۲/۳۴۴، سبل الہدی والرشاد:۱۱/۳۴۴-۳۷۴)

ان میں سے نجاشی اور منذر بن ساوی نے اسلام قبول کرلیا، ہرقل اور مُقَوقِس نے خط کا بہت احترام کیا لیکن مسلمان نہیں ہوا اور کسری نے خط کو پھاڑ دیا۔ (سیرۃ المصطفی:۲/۳۶۲-۳۸۹)

فائدہ: نجاشی کا اصل نام اَصحَمہ، مُقَوقِس کا اصل نام جُرَیج ابن مَتّٰی، ِکسرٰی کا اصل نام خُسرو پرویز اور قیصر کا اصل نام ہِرَقل ہے۔ (البدایہ والنہایہ:۴/۳۹۵، خصائل مصطفیٰ:۸۷)

غزوۂ خیبر کا مختصر تذکرہ

غزوۂ خیبر صحیح قول کے مطابق ہجرت کے ساتویں سال محرم الحرام کے مہینہ میں ہوا۔
(شرح الزرقانی:۳/۲۴۴، سبل الہدی والرشاد:۵/۱۵۲) اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

مدینہ منورہ سے تبوک کی طرف جاتے ہوئے تقریباً ۲۰۰ رکلومیٹر کے فاصلہ پر مقام خیبر واقع ہے، یہاں یہود کے بہت سارے قبیلے آباد تھے اور مدینہ کے جو یہودی معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کردیئے گئے تھے ان میں سے بھی بہت سارے لوگ یہیں آکر مقیم ہوگئے تھے، یہ لوگ ہر وقت مسلمانوں پر حملہ کرنے کی فکر میں مصروف رہتے تھے، صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ خیبر کے یہودی بنوغطفان اور دوسرے قبیلہ والوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر بڑے حملہ کی تیاری کررہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے واقعہ کی تحقیق کے

لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر بھیجا، انہوں نے خبر کی تصدیق کر دی۔

(سیرت النبی: ۱/۳۲۱، پیام سیرت: ۸۷، نقوش پائے مصطفیٰ: ۲۰۰)

چنانچہ آپ ﷺ ۱۶۰۰ / صحابۂ کرام کے ساتھ خیبر تشریف لے گئے، جب یہودیوں نے آپ ﷺ کو آتے ہوئے دیکھا تو ان پر خوف طاری ہو گیا اور قلعہ بند کر لیا، حضرت علی نے اکیلے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ دیا اور صحابۂ کرام خیبر میں داخل ہو گئے، خیبر میں یہودیوں کے بہت سارے قبیلے آباد تھے، آپ ﷺ اور صحابۂ کرام یکے بعد دیگرے تمام قلعے فتح کرتے ہوئے چلے گئے یہاں تک کہ صرف دو قلعے رہ گئے جن کے نام وَطیح اور سُلالم تھے، یہ دونوں قلعے بہت مشکل سے فتح ہوئے، تقریباً ۱۰ / دنوں تک آپ ﷺ نے ان دونوں قلعوں کا محاصرہ جاری رکھا، جب ان لوگوں کو اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ "ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو چھوڑ دیا جائے، ہم خیبر چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جائیں گے"، آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کر لی، اس کے بعد پھر ان لوگوں نے یہ درخواست کی کہ ہمیں خیبر ہی میں رہنے دیا جائے، ہم اس کے بدلہ میں اپنی پیداوار کا آدھا حصہ مسلمانوں کو دیں گے، آپ ﷺ نے اس کو بھی قبول فرمالیا اور وہاں سے مسلمان مدینہ واپس آ گئے، اس کے بعد وہ لوگ اپنی پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: سیرۃ المصطفیٰ: ۲/۴۰۰-۴۱۲، مختصر سیرت نبوی: ۲۰۶، سیرت ابن ہشام: ۳/۲۸۶، سبل الہدیٰ والرشاد: ۵/۱۱۵-۱۳۲، طبقات ابن سعد: ۲/۱۰۰-۱۰۸، سیرت ابن اسحاق: ۲/۴۷۱، عیون الاثر: ۲/۱۸۳)

فائدہ: غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کی تعداد ۱۶۰۰ / تھی (زرقانی: ۳/۲۴۵) اور یہودیوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ (رحمۃ للعالمین: ۲/۴۴۲) اس غزوہ میں ۱۵ / مسلمان شہید ہوئے اور ۹۳ / یہودی مارے گئے۔ (شرح الزرقانی: ۳/۲۶۴)

فتح مکہ کا مختصر تذکرہ

صحیح قول کے مطابق ہجرت کے آٹھویں سال ۲۰ / رمضان المبارک کو مکہ فتح ہوا۔ (شرح الزرقانی: ۳/۳۸۵-۳۸۷، سبل الہدیٰ والرشاد: ۲۶۶، ۲۷۳) جس کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

صلح حدیبیہ میں ایک اہم شرط یہ تھی کہ مسلمان اور کفار دونوں دس سال تک آپس میں

لڑائی نہیں کریں گے اور جو قبیلہ اس صلح نامہ میں جس کے ساتھ ہونا چاہے وہ اس کے ساتھ ہوسکتا ہے، چنانچہ بَنُو خُزاعہ مسلمانوں کے اور بَنُو بَکْر کفار کے ساتھ ہو گئے تھے، ان دونوں قبیلوں میں کافی دشمنی تھی، اس لئے یہ لوگ اس معاہدہ کو نہیں نبھا سکے اور قریش کے حلیف بنو بَکر کی ایک شاخ نے بَنُو خُزاعہ پر حملہ کر دیا اور اس کے چند آدمیوں کو قتل کر دیا، نیز اس حملہ میں قریش نے ہتھیار کے ذریعہ بنو بَکر کی مدد کی اور رات میں چھپ کر جنگ میں بھی شریک رہے جو صلح حدیبیہ کی شرط کے خلاف تھا۔

(زرقانی:۳/۳۷۷۔۳۷۹، البدایہ والنہایہ:۴/۵۲۴، تاریخ طبری:۳/۴۳، طبقات ابن سعد:۲/۱۲۴)

چنانچہ عمرو بن سالم خزاعی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس مدینہ گئے اور آپ سے مدد کی درخواست کی، آپ ﷺ نے قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ (۱) وہ بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت دیں (۲) یا بنوبکر کا ساتھ چھوڑ دیں اور ان کو معاہدہ سے الگ کر دیں (۳) یا پھر صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو ختم کر دیں، قریش نے جلد بازی میں کہدیا کہ ہم پہلی دو باتوں کو نہیں مانیں گے، البتہ ہم صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو ختم کرتے ہیں، لیکن اس کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور انہوں نے ابوسفیان بن حرب کو مدینہ بھیجا تا کہ پھر سے معاہدہ کیا جائے، چنانچہ ابوسفیان مدینہ آئے اور تجدید معاہدہ کی درخواست کی، لیکن آپ ﷺ نے کچھ بھی جواب نہیں دیا اور یہ ناکام ہوکر واپس آگئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور یہ تاکید کردی کہ اس خبر کو قریش سے پوشیدہ رکھا جائے تاکہ ہم کفار پر اچانک حملہ کر دیں۔

(زرقانی:۳/۳۸۴، سیرۃ المصطفیٰ:۳/۱۴۔۱۶، مختصر سیرت نبوی:۲۱۸، عیون الاثر:۲/۲۲۵، کتاب المغازی:۲/۷۸۶)

تیاری مکمل ہونے کے بعد آپ ﷺ صحیح قول کے مطابق ہجرت کے آٹھویں سال ۱۰ ررمضان المبارک روز بدھ کو بعد نماز عصر دس ہزار صحابۂ کرام کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں مزید دو ہزار مسلمان شامل ہو گئے، اس طرح مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار ہوگئی۔

(شرح الزرقانی:۳/۳۹۵، ۳۹۶، سبل الہدیٰ والرشاد:۵/۲۶۵، ۲۶۶)

آپ ﷺ جب مکہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو چند صحابۂ کرام کو لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ مکہ کے مختلف راستوں سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا اور انہیں یہ تاکید کردی کہ جب تک

کفار تم سے قتال نہ کریں اس وقت تک تم بھی ان سے قتال مت کرنا، چنانچہ وہ لوگ بغیر کسی قتال اور مزاحمت کے مکہ میں داخل ہو گئے البتہ حضرت خالد بن ولید کے دستہ سے چند کفار کا مقابلہ ہوا اور انجام کار کفار ہی کو شکست ہوئی۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۲۲۶/۵-۲۳۰، المواہب: ۵۷۰/۱، طبقات ابن سعد: ۱۲۵/۲، شرح الزرقانی: ۴۱۳/۳)

آپ ﷺ مکہ میں اس کے بالائی حصہ (زرقانی: ۴۱۴/۳) سے داخل ہوئے اور یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، جو شخص اپنا ہتھیار پھینک دے، جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے؛ وہ سب محفوظ و مامون رہیں گے، یعنی ان سے لڑائی نہیں کی جائے گی۔

(رحمۃ للعالمین: ۱۳۵/۱ بتصرف، شرح الزرقانی: ۴۱۷/۳-۴۲۲)

مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ مسجد حرام تشریف لے گئے، وہاں ۳۶۰/بت رکھے ہوئے تھے، آپ ﷺ ان بتوں کی طرف ایک لکڑی سے اشارہ کرتے ہوئے یہ آیت پڑھتے تھے ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (الإسراء: ۸۱) ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا، یقیناً باطل مٹنے ہی کی چیز تھی، اور بت منہ کے بل گرتا ہوا چلا جاتا تھا حتی کہ مسجد حرام بتوں سے پاک ہو گیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر باہر تشریف لائے اور کفار کے سامنے اللہ تعالی کی وحدانیت، اللہ تعالی کی طاقت وقدرت، ناحق خون بہانے کی برائی، عدل ومساوات اور سرزمین مکہ کے محترم ومعزز ہونے پر مشتمل ایک مختصر تقریر کی، تقریر کے اخیر میں آپ ﷺ نے معافی کا عام اعلان کر دیا۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۲۳۴/۵-۲۴۲، شرح الزرقانی: ۴۶۰/۳، سیرت النبی: ۳۴۶/۱، البدایہ والنہایہ: ۵۵۵/۴، سیرت ابن ہشام: ۵۴/۴-۵۹، عیون الاثر: ۲۳۱/۲)

فائدہ: صحیح قول کے مطابق ۲۰/ رمضان المبارک ۸ھ کو مکہ فتح ہوا، آپ ﷺ کا قیام مکہ میں ۱۹/ دنوں تک رہا، اس کے بعد آپ ﷺ مدینہ واپس آ گئے۔

(شرح الزرقانی: ۴۸۵/۳-۴۸۷، سبل الہدیٰ والرشاد: ۲۶۶، ۲۷۳)

فتح مکہ کے موقع سے ۲/ مسلمان شہید ہوئے اور ۱۲/ کفار قتل کئے گئے (رحمۃ للعالمین: ۴۴۷/۲)

غزوۂ حُنَین واُوطاس کا مختصر تذکرہ

غزوۂ حُنَین (اس کا دوسرا نام غزوۂ ہوازن ہے) صحیح قول کے مطابق ہجرت کے آٹھویں سال ۱۰/شوال المکرّم کو ہوا۔ (طبقات ابن سعد: ۱۳۸/۲، شرح الزرقانی: ۴۹۸/۳)

اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

حُنَین مسجد حرام سے تقریباً ۳۵/کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک وادی کا نام ہے۔ (نقوش پائے مصطفیٰ: ۲۲۷) جہاں قبیلۂ ہَوازِن اور بنوثَقِیف آباد تھے، جب ان لوگوں کو فتحِ مکہ کا علم ہوا تو انہیں یہ خیال آیا کہ مسلمان شاید اب ہمارے اوپر حملہ کردیں گے اس لئے ان لوگوں نے اس سلسلہ میں آپس میں مشورہ کیا اور مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ مسلمانوں کے حملہ کرنے سے پہلے ہم لوگوں کو ان پر حملہ کردینا چاہئے، چنانچہ یہ لوگ حملہ کی تیاری کرنے لگے اور ہزاروں کفار کے ساتھ حنین کے قریب مقام اُوطاس میں اپنے بچوں اور بیویوں کے ساتھ مقیم ہوگئے، ان میں سے بہت سارے لوگ حنین اور اُوطاس کی پہاڑیوں، گھاٹیوں اور تنگ راستوں میں چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ جب مسلمان اس راستہ سے آئیں تو مسلمانوں پر وہ لوگ یکبارگی حملہ کردیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: سبل الہدی والرشاد: ۳۱۰/۵، سیرت النبی: ۳۵۴/۱-۳۵۹، طبقات ابن سعد: ۱۳۸/۲، شرح الزرقانی: ۴۹۷/۳، البدایہ والنہایہ: ۵۸۳/۴، سیرۃ المصطفیٰ: ۶۲/۳، ۶۵)

آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو تحقیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی حَدْرَد کو مقام حُنَین بھیجا، انہوں نے آکر کہا کہ خبر سچی ہے، چنانچہ آپ ﷺ بارہ ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے، عہد نبوی کے تمام غزوات کے مقابلہ میں اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لئے بعض مسلمانوں نے یہ کہدیا کہ آج ہماری تعداد زیادہ ہے، اس لئے ہم لوگ ہی غالب آئیں گے، اللہ تعالیٰ کو یہ جملہ پسند نہیں آیا اور جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کو شکست ملی۔ اس شکست کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ ناتجربہ کار اور نومسلم نوجوان لشکر کے آگے آگے تھے، جب یہ لوگ حنین کے قریب پہنچے تو گھاٹیوں میں چھپے ہوئے کفار نے اچانک اِن مسلمانوں پر حملہ کردیا جس کی وجہ سے یہ لوگ پیچھے ہٹنے لگے اور مسلمانوں کی فوج منتشر ہوگئی، حتی کہ آپ ﷺ کے پاس صرف چند صحابہ بچ گئے، آپ ﷺ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو

خوب بلند آواز سے یہ شعر پڑھا:

أنــــا الــــنَّبِــــيُّ لا كَـــذِبْ   أنـــا ابـــنُ عَبْـــدِ الْـــمُـــطَّـــلِـــبْ

میں جھوٹا نبی نہیں ہوں (بلکہ میں سچا نبی ہوں) میں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: سبل الہدی والرشاد: ۳۱۳/۵-۳۱۹، سیرت ابن ہشام: ۸۳/۴-۸۶، البدایہ والنہایہ: ۵۸۴/۴-۵۹۴، طبقات ابن سعد: ۱۳۹/۲، سیرۃ المصطفیٰ: ۶۳/۳-۶۶، عیون الاثر: ۲۵۵/۲)

پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس کے ذریعہ تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا اور تمام صحابۂ کرام آپ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے، اس کے بعد اتنی بہادری کے ساتھ مسلمانوں نے مقابلہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور دشمن میدان جنگ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳۲۲/۵، شرح الزرقانی: ۴۹۸/۳-۵۰۷، سیرت ابن ہشام: ۸۸/۴)

شکست کے بعد کچھ کفار مقام اُوطاس، کچھ مقام نَخلَہ اور کچھ طائف چلے گئے، آپ ﷺ نے مقام اوطاس اور مقام نخلہ کی طرف چند صحابۂ کرام کو بھیجدیا، صحابہ وہاں تشریف لے گئے اور وہاں بھی کفار کو شکست ہوئی۔ (سبل الہدی والرشاد: ۳۳۳/۵، سیرۃ المصطفیٰ: ۶۷/۲)

فائدہ: اس غزوہ میں مسلمانوں کی کل تعداد بارہ ہزار تھی، جن میں سے دو ہزار مسلمان فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے (شرح الزرقانی: ۴۹۸/۳) اور کفار کی تعداد بیس ہزار تھی۔ (جدید سیرت النبی: ۹۳۱/۲) اس غزوہ میں چار مسلمان شہید اور ۷۰/ کفار قتل کئے گئے۔ (شرح الزرقانی: ۵۳۰، ۵۳۱)

نیز اس جنگ میں چھ ہزار کفار گرفتار ہوئے، جن میں سے ہر ایک کو انتہائی احترام واعزاز کے ساتھ آزاد کردیا گیا، مال غنیمت میں ۲۴/ ہزار اونٹ، ۴۰/ ہزار سے زائد بکریاں اور ۴/ ہزار اوقیہ چاندی ملیں جن کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا گیا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳۳۹/۵، طبقات ابن سعد: ۱۴۱/۲، سیرۃ المصطفیٰ: ۷۰/۳)

غزوۂ طائف کا مختصر تذکرہ

غزوۂ طائف ہجرت کے آٹھویں سال ماہ شوال میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد: ۱۴۵/۲) اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

غزوۂ حنین میں شکست کے بعد مالک بن عوف نصری اپنی فوج کے ساتھ طائف

چلا گیا، وہاں اس نے ایک سال کا غلہ جمع کرلیا اور قلعہ بند ہوکر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کرنے لگا، آپ ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہوکر ایک ہزار صحابۂ کرام کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اوران کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، صحابۂ کرام منجنیق کے ذریعہ کفار کے قلعہ پر پتھر برساتے تھے اور کفار قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر مسلمانوں کی طرف تیر پھینکتے تھے، صحیح قول کے مطابق ۱۰/دنوں تک آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا لیکن وہ لوگ قلعہ سے باہر مقابلہ کے لئے نہیں آئے اس لئے آپ ﷺ وہاں سے واپس آ گئے، اس غزوہ میں ۱۲/مسلمان شہید ہوئے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۳۸۲/۵۔۳۸۸، المواہب علی الزرقانی: ۶/۴۔۱۵، طبقات ابن سعد: ۱۴۵/۲)

غزوۂ تبوک کا مختصر تذکرہ

غزوۂ تبوک صحیح قول کے مطابق ہجرت کے نویں سال رجب کے مہینہ میں جمعرات کے دن ہوا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: ۴۷۹/۵) اس غزوہ کا مختصر قصہ درج ذیل ہے:

آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ روم کا بادشاہ ہرقل مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے اوراس کے ساتھ شام ودیگر قبائل کے لوگ بھی شامل ہوگئے ہیں، نیز ہرقل نے اپنے فوجیوں کوایک سال کا غلہ بھی دیدیا ہے تاکہ وہ جم کر حملہ کریں اور ۴۰/ہزار افراد پر مشتمل اس کے لشکر کا اگلا حصہ مقام بلقاء تک پہنچ چکا ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: ۴۳۳/۵، نقوش پائے مصطفیٰ: ۲۴۷، عیون الاثر: ۲۹۲/۲)

اس خبر کے ملتے ہی آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو جہاد کے لئے تیاری کرنے کا حکم دیا، اس وقت شدید گرمی تھی اور پھلوں کے پکنے کا زمانہ تھا، مسلمان سخت تنگ دستی اور فقر وفاقہ کی حالت میں تھے، لڑائی کے لئے مدینہ سے کافی دور جانا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو چندہ اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: ۴۳۴/۵، البدایہ والنہایہ: ۶۵۴/۴، عیون الاثر: ۲۹۲/۲)

چنانچہ حضرت ابوبکر نے اپنا پورا مال (جو ۴/ہزار درہم تھا) حضرت عمر نے اپنے مال کا آدھا حصہ، حضرت عثمان نے تین سو اونٹ اور ۱۰۰/گھوڑے مع ساز وسامان کے، نیز ایک ہزار دینار راہِ خدا میں پیش کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: ۴۳۵/۵، رحمۃ للعالمین: ۱۵۰/۱)

تیاری مکمل ہونے کے بعد آپ ﷺ ان سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور مقام تبوک میں پہنچ کر وہیں پڑاؤ ڈالدیا، ۲۰/دنوں تک آپ ﷺ مقام تبوک ہی میں ٹھہرے رہے لیکن دشمن مقابلہ کے لئے نہیں آیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۹۷/۳، شرح الزرقانی: ۹۶/۴) اسی درمیان شام کے تین شہر (جَرْباء، أَذْرُحْ

اور أیْلَــہ) کے حکمراں آئے اور انہوں نے صلح کی پیشکش کردی اور جزیہ دینا بھی منظور کرلیا، اس کے بعد آپ ﷺ وہاں سے واپس آگئے۔ (البدایہ والنہایہ:۴/۶۷۰، المواہب علی الزرقانی:۴/۹۰)

فائدہ: غزوۂ تبوک عہد رسالت کا آخری غزوہ تھا، اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد ۳۰/ہزار تھی، جن میں سے دس ہزار گھوڑے پر سوار تھے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۵/۴۴۲)

نوٹ: مدینہ منورہ سے شمال کی طرف تقریباً ۷۸۰/کلومیٹر کے فاصلہ پر مقام تبوک واقع ہے۔ (نقوش پائے مصطفیٰ: ۲۵۸)

رسول اکرم ﷺ کے پاس مختلف وفود کا آنا

ہجرت کے نویں سال کو "عَـامُ الوُفُود" (وفود کا سال) کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس سال قریب اور دور دراز کے قبائل کے لوگ جماعت کی شکل میں آپ ﷺ کے پاس تشریف لاتے تھے اور ان میں سے بعض اسلام قبول کرکے اور بعض پر امن معاہدہ کرکے چلے جاتے تھے، وفود کی تعداد ۱۰۰/ سے زیادہ ہے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۵/۲۵۹۔۴۴۱، البدایہ والنہایہ: ۵/۷۔۹۱)

حجۃ الوَداع (رسول اکرم ﷺ کا آخری حج)

ہجرت کے دسویں سال ذی قعدہ کے مہینہ میں آپ ﷺ نے حج کی تیاری شروع کردی اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا، تیاری مکمل ہونے کے بعد ۲۵/ذی قعدہ سنیچر کے دن (یہی قول صحیح ہے) آپ ﷺ ایک لاکھ سے زائد صحابۂ کرام کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے، چوں کہ حج فرض ہونے کے بعد آپ ﷺ کا یہ پہلا حج تھا، اس لئے آپ ﷺ نے پورے اہتمام کے ساتھ لوگوں کو حج کی تعلیم دی، نیز اس موقع سے آپ ﷺ نے مکہ، مِنٰی اور عرفات میں کئی خطبات دیئے، جن میں سب سے اہم اور مشہور خطبہ "خطبۂ حجۃ الوداع" ہے، جو آپ ﷺ نے میدان عرفات میں ۹/ذی الحجہ روز جمعہ کو ایک لاکھ سے زائد صحابۂ کرام کی موجودگی میں دیا۔

(شرح الزرقانی: ۴/۱۴۱۔۱۴۶، سبل الہدی والرشاد: ۸/۴۵۱، سیرت ابن اسحاق: ۲/۶۶۷، تاریخ طبری: ۳/۱۴۸)

فائدہ: اس سفر میں صحابۂ کرام کی تعداد علی اختلاف الاقوال ۹۰/ہزار، ایک لاکھ ۲۴/ہزار یا ایک لاکھ ۴۴/ہزار تھی۔ (شرح الزرقانی: ۴/۱۴۶، رحمۃ للعالمین: ۱/۲۲۹) چوں کہ آپ ﷺ کا یہ آخری حج تھا؛ اس لئے اس حج کو "حجۃ الوَداع" بھی کہتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۵/۱۱۴)

رسول اکرم ﷺ کی وفات

ہجرت کے گیارہویں سال ماہ صفر کے اخیر ہفتہ میں آپ ﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے، وہاں مدفون لوگوں کے لئے دعاواستغفار کیا اور وہاں سے واپسی کے بعد سر میں سخت درد اور بخار شروع ہو گیا، اس دن حضرت میمونہ کی باری تھی، آپ ﷺ اس حالت میں بھی باری باری ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے رہے، جب بیماری میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لیکر حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے (اور انتقال تک تقریباً ایک ہفتہ وہیں قیام رہا)

(سیرت ابن اسحاق: ۲/۷۰۰-۷۰۲، سبل الہدی والرشاد: ۱۲/۲۳۵-۲۳۸)

رفتہ رفتہ درد اور بخار میں اس قدر اضافہ ہوتا چلا گیا کہ آپ ﷺ کے لئے مسجد جانا بھی دشوار ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، انہوں نے سترہ نمازیں آپ ﷺ کی زندگی میں پڑھائیں۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۲/۲۴۴، المواہب علی الزرقانی: ۱۲/۱۰۸)

مرض الوفات میں آپ ﷺ نے مختلف موقع سے فضول گوئی سے بچنے، انصار ومہاجرین کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرنے، وقت پر نماز پڑھنے، ماتحتوں اور غلاموں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے، اتحاد واتفاق کے ساتھ رہنے اور کتاب وسنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا حکم دیا۔

مشہور قول کے مطابق آپ ﷺ ۱۳/دن بیمار رہے۔ (المواہب علی الزرقانی: ۱۲/۸۳) بالآخر اسی مرض میں آپ ﷺ ۱۲/ربیع الاول پیر کے دن انتقال فرما گئے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۲/۳۰۵)

پیر کا بقیہ دن اس سلسلہ میں بات چیت کرتے ہوئے گزر گیا کہ آپ ﷺ کا جانشیں اور خلیفہ کون بنے؟ چنانچہ مختصر گفتگو کے بعد تمام صحابۂ کرام کے اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ (خصائل مصطفیٰ: ۲۶۴) منگل کے دن آپ ﷺ کو بغیر کپڑے اتارے ہوئے اس طرح غسل دیا گیا کہ کپڑے کے اوپر سے پانی بہا دیا گیا اور غسل کے بعد وہ کپڑا اتار لیا گیا۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۲/۳۲۱) آپ ﷺ کو غسل دینے میں حضرت علی، حضرت اسامہ بن زید، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت شُقران اور آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت صالح شریک تھے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۲/۳۲۳، طبقات ابن سعد: ۲/۲۴۳)

غسل سے فراغت کے بعد آپ ﷺ کو روئی کے بنے ہوئے تین سوتی کپڑوں میں

کفن دیا گیا جو سفید تھے، ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ (المواہب علی الزرقانی:۱۲/۱۶۰، طبقات:۲/۲۴۵)

غسل وکفن سے فراغت کے بعد حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری نے آپ ﷺ کے لئے حضرت عائشہ کے حجرہ میں جہاں آپ ﷺ کی وفات ہوئی تھی اسی جگہ لحد یعنی بغلی قبر کھودی اور آپ ﷺ کو اس کے قریب رکھدیا گیا۔ (شرح الزرقانی:۱۲/۱۶۷، سیرت النبی:۲/۵۳۸)

منگل کے روز جب صحابہ آپ ﷺ کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کی نماز جنازہ اس طرح پڑھی گئی کہ دس دس صحابۂ کرام کمرہ میں آتے تھے اور بغیر جماعت کئے ہوئے تنہا نماز جنازہ پڑھ کر چلے جاتے تھے، ۳۰/ہزار صحابۂ کرام اور ۳۰/ہزار فرشتوں نے آپ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی۔ (سبل الہدی والرشاد:۱۲/۳۲۹، ۳۳۰، سیرۃ المصطفی:۳/۱۸۴)

جنازہ سے فراغت کے بعد آپ ﷺ کو صحیح قول کے مطابق بدھ کی رات حضرت عائشہ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ (سبل الہدی والرشاد:۱۲/۳۳۳۔۳۳۷، شرح الزرقانی:۱۲/۱۴۹)

آپ ﷺ کی قبر میں صحیح قول کے مطابق حضرت علی، حضرت عباس اور ان کے دولڑکے فضل بن عباس اور قُثم بن عباس اترے تھے۔ (المواہب علی الزرقانی:۱۲/۱۶۰)

تاریخ وفات پر ایک نظر

صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی وفات ۶۳/سال کی عمر میں ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے دن ہوئی۔ (سبل الہدی والرشاد:۱۲/۳۰۵۔۳۰۷، المواہب مع الزرقانی:۴/۱۵۴)

تاریخِ وفات کے متعلق مشہور قول یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ، مطابق ۸/جون ۶۳۲ء پیر کے دن زوال کے وقت ۶۳/سال کی عمر میں ہوئی۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۲/۳۰۵۔۳۰۸، طبقات ابن سعد:۲/۲۷۳، تقویم عہد نبوی:۱۴۲)

لیکن موسی بن عقبہ، محمد بن موسیٰ خوارزمی اور لیث بن سعد مصری نے ۱/ربیع الاول، علامہ سہیلی، ابومِخنَف اور حافظ ابن حجر نے ۲/ربیع الاول، بدر بن جماعہ اور قاضی سلیمان منصور پوری نے ۱۳/ربیع الاول کو راجح قرار دیا ہے، اس کے علاوہ بھی مختلف اقوال ہیں جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں ہے اس لئے انہیں اقوال پر اکتفا کیا جاتا ہے، واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۲/۳۰۵، سیرۃ المصطفی:۳/۱۶۹، ۱۷۰، رحمۃ للعالمین:۱/۲۴۲)

پانچواں باب

رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات اور باندیاں

پہلی فصل: ازواج مطہرات کا مختصر تعارف

ازواج مطہرات کی تعداد، نام اور ترتیب نکاح

رسول اکرم ﷺ کی وہ بیویاں جن سے آپ ﷺ نے خلوت فرمائی گیارہ تھیں جن کے نام یہ ہیں: (۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد (۲) حضرت سَودَہ بنت زَمعہ (۳) حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق (۴) حضرت حفصہ بنت عمر (۵) حضرت زینب بنت خُزَیمہ (۶) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۷) حضرت ام سلمہ بنت ابی اُمَیَّہ (۸) حضرت زینب بنت جَحْش (۹) حضرت جُوَیرِیہ بنت حارث (۱۰) حضرت صفِیّہ بنت حُیَیّ بن أخطَب (۱۱) حضرت مَیمُونہ بنت حارث، ان میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں وفات پاگئیں۔

(المواہب مع الزرقانی: ۳۵۹/۴، سبل الھدی والرشاد: ۱۴۳/۱۱، سیرت ابن ہشام: ۲۸۹/۴، البدایہ والنہایہ: ۴۱۴/۵)

فائدہ: ازواج مطہرات کے نام جس ترتیب سے اوپر لکھے ہوئے ہیں اسی ترتیب سے آپ ﷺ کا ان عورتوں سے نکاح ہوا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴۲۵/۵)

متعدد شادیوں کی حکمت و مصلحت

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت تھی؛ اس لئے آپ ﷺ نے صحیح روایات کے مطابق ۱۱ رشادیاں کیں، ان میں سے حضرت عائشہ کو چھوڑ کر تمام بیویاں بیوہ یا طلاق شدہ تھیں، پچاس سال کی عمر تک آپ ﷺ کے نکاح میں صرف حضرت خدیجہ رہیں، جو آپ ﷺ سے ۱۵ رسال بڑی تھیں، نیز دو شوہروں کے بعد وہ آپ ﷺ کی زوجیت میں آئیں تھیں، اس کے بعد آپ ﷺ کا نکاح حضرت سودہ سے ہوا، وہ بھی آپ ﷺ سے عمر میں بڑی تھیں، تقریباً تین سال تک آپ ﷺ کی زوجیت میں صرف وہی رہیں، حضرت عائشہ کا نکاح گرچہ مکہ ہی میں ہوگیا تھا، لیکن رخصتی مدینہ میں ہوئی تھی، گویا کہ

آپ ﷺ نے ۵۰ ؍سال صرف ایک عورت (حضرت خدیجہ) کے ساتھ اور مزید ۳ ؍سال صرف ایک عورت (حضرت سودہ) کے ساتھ گزارا، اس کے بعد آپ ﷺ نے زندگی کے آخری دس سالوں میں دیگر عورتوں سے شادیاں کیں۔

مذکورہ بالا تفصیل جاننے کے باوجود مغرب کے چند نالائق، بدقماش، فحاش اور کم فہم مصنفین کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے متعدد شادیاں جنسی خواہش کی تکمیل اور نفس پرستی کے لئے کی تھیں، حالاں کہ اہل علم واصحاب عقل سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اگر متعدد نکاح سے آپ ﷺ کا یہی مقصد ہوتا تو آپ ﷺ یہ تمام شادیاں جوانی کے ایام میں کرتے، نیز کم عمر اور کنواری لڑکیوں سے شادی کرنے کو ترجیح دیتے، چوں کہ صورتِ حال اس سے مختلف ہے اسلئے اہل علم اور دانشور مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ تمام شادیاں مختلف قبیلہ والوں کو دعوت سے مانوس کرنے، بیواؤں اور یتیموں کا سہارا بننے اور اپنی امت کو اس طرف متوجہ کرنے، شریعت اسلامیہ کی نشرواشاعت؛ خصوصا معاشرتی اور ازدواجی مسائل سے لوگوں کو باخبر کرنے کے لئے کی تھیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: مولانا نورالحق رحمانی کی کتاب ''پیغمبر اسلام اور تعدد ازدواج'')

ازواج مطہرات کی مرویات

ازواج مطہرات کی کل مرویات دو ہزار آٹھ سو بیس (۲۸۲۰) ہیں، جن میں سے ہر ایک کی مرویات کی تفصیل درج ذیل ہے:

ازواج مطہرات کے نام	مرویات	ازواج مطہرات کے نام	مرویات
حضرت خدیجہ بنت خویلد	ایک بھی نہیں	حضرت سَودَہ بنت زَمعہ	۵
حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق	۲۲۱۰	حضرت حفصہ بنت عمر	۶۰
حضرت زینب بنت خُزَیمہ	ایک بھی نہیں	حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان	۶۵
حضرت ام سلمہ بنت ابی اُمَیّہ	۳۷۸	حضرت زینب بنت جَحش	۱۱
حضرت جُوَیرِیہ بنت حارث	۷	حضرت صفِیّہ بنت حُيَيّ بن أخطب	۱۰
حضرت مَیمُونہ بنت حارث	۷۴		

(مکمل تفصیل کے لئے دیکھیں: رحمۃ للعالمین: ۲؍۳۹۷۔۴۲۷، سیرت امہات المومنین: ۶۷، اصح السیر: ۶۱۱)

حضرت خدیجہ بنت خویلد

حضرت خَدِیجہ حضورِ اقدس ﷺ کی پہلی بیوی ہیں، ان کے والد کا نام خُـوَیـلِـد بـن أَسَد بن عبد العُزّی اور والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے۔ (تاریخ طبری: ۱۶۱/۳)

حضرت خدیجہ قریش کی بہت معزز اور دولت مند خاتون تھی، اہل مکہ ان کی پاک دامنی کی بنا پر انکو طاہرہ کے لقب سے پکارتے تھے، آپ ﷺ پر سب سے پہلے یہی ایمان لائی اور ابتداء اسلام میں جب کہ ہر طرف سے آپ ﷺ کی مخالفت کا طوفان اُٹھ رہا تھا ایسے کٹھن وقت میں صرف انہیں کی ایک ذات تھی جو آپ ﷺ کو تسلی دیا کرتی تھی، انہوں نے اتنے خوفناک اور خطرناک اوقات میں بھی استقامت کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کیا اور تن من دھن سے بارگاہ نبوت میں اپنی قربانی پیش کی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ بھی حضرت خدیجہ سے بہت محبت کرتے تھے اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں کیا اور وفات کے بعد بھی ان کو یاد فرماتے رہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب حضرت خدیجہ کا ذکر کرتے تو ان کی بہت زیادہ تعریفیں کرتے تھے، ایک دن مجھے اس پر غیرت آئی اور میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس بوڑھی عورت کا ہمیشہ ذکر کرتے رہتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالی نے آپ کو ان سے بہتر بیوی عطا کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں عطا کیا ہے، اس لئے کہ جب سارے لوگ میرا انکار کر رہے تھے تو وہ مجھ پر ایمان لائی، جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو اس نے میری تصدیق کی، جب لوگوں نے مجھے مال سے محروم کر دیا تھا تو اس نے اپنے مال سے میری مدد کی، اور اللہ تعالی نے مجھے اس سے اولاد عطا کیا ہے جب کہ میری دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۵۵/۱۱)

ان کے فضائل میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں: ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار حضرت جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! خدیجہ آپ کے پاس ایک برتن لے کر آرہی ہیں جس میں کھانے پینے کی چیز ہے، جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو آپ خدیجہ کو ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہہ دیں اور ان کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ جنت میں ان کے لئے موتی کا ایک گھر ہوگا جس میں شور

وشغب نہیں ہوگا اور نہ ہی تکلیف کی کوئی دوسری چیز ہوگی۔

(بخاری شریف، باب تزویج النبی خدیجۃ، فتح الباری: ۱۳۴/۷)

آپ کا پہلا نکاح عتیق بن عابد بن عبد اللہ سے ہوا، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا، اس کے بعد آپ کا نکاح أَبُو هَالَهْ مَالِكْ بن نبَّاش بن زُرَارَه سے ہوا، ان سے ایک بیٹی (ھِند) اور ایک بیٹا ہالہ پیدا ہوئے۔

(سبل الھدی والرشاد: ۱۵۵/۱۱، شرح الزرقانی: ۳۷۳/۱، الاصابہ: ۹۹/۸، الاستیعاب: رقم: ۳۴۷۹، ص ۸۸۸)

واضح رہے کہ بعض کتابوں میں عتیق بن عائذ لکھا ہوا ہے جو غلط ہے۔ (شرح الزرقانی: ۳۷۳/۱)

اس کے بعد حضرت خدیجہ کا تیسرا نکاح آپ ﷺ سے ہوا جن سے دولڑکے قاسم اور عبد اللہ (لقب طیب وطاہر) اور چار صاحبزادیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔

(الاستیعاب: ۸۸۸، تاریخ طبری: ۱۶۱/۳، سبل الھدی والرشاد: ۱۵۹/۱۱)

حضرت خدیجہ سے نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ر سال اور حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ر سال تھی، حضرت خدیجہ تقریباً ۲۵ر سال تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہیں، صحیح قول کے مطابق ہجرت سے تین سال پہلے نبوت کے دسویں سال ۶۵ر سال کی عمر میں رمضان کی دسویں تاریخ کو حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا اور مکہ کے مشہور قبرستان "حَجُون" میں آپ کو دفن کیا گیا، چوں کہ اس وقت تک نماز جنازہ کی مشروعیت نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ (فتح الباری، مناقب الانصار: ۱۳۴/۷، الاصابہ: ۱۰۳/۸، الاستیعاب: ۸۹۲)

حضرت سَودَہ بنت زَمعَہ

آپ ﷺ کی دوسری بیوی کا نام سَودَہ ہے، ان کے والد کا نام زَمْعَهْ بن قَيْسْ بن عَبْدِ شَمْسْ اور ان کی والدہ کا نام شَمُوسْ بنت قَيْسْ بن عَمْرْو ہے۔

(طبقات ابن سعد: ۵۲/۱۰، شرح الزرقانی: ۳۷۷/۴، عیون الاثر: ۳۹۳/۲)

ان کا پہلا نکاح ان کے چچازاد بھائی سَكْرَان بن عَمْرْو سے ہوا، میاں بیوی دونوں شروع میں ہی مسلمان ہوگئے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، اس کے بعد جب دونوں حبشہ سے مکہ واپس آگئے تو کچھ دنوں کے بعد مکہ ہی میں ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے بعد

حضور اکرم ﷺ سے ان کا نکاح ہوا۔ (سبل الہدی والرشاد:۱۱/۱۹۸، عیون الاثر:۲/۳۹۳)

حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ حضرت سودہ نے ایک خواب دیکھا کہ حضور ﷺ پیدل چلتے ہوئے ان کی طرف تشریف لائے اور ان کی گردن پر اپنا مقدس پاؤں رکھ دیا، جب حضرت سودہ نے اپنے شوہر سے اس خواب کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تیرا خواب سچا ہے تو میں عنقریب مر جاؤں گا اور حضور ﷺ تجھ سے نکاح فرمائیں گے۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۱/۱۹۹، طبقات ابن سعد:۱۰/۵۷، شرح الزرقانی:۴/۳۷۸)

اس کے بعد دوسری رات حضرت سودہ نے یہ خواب دیکھا کہ وہ چت لیٹی ہوئی ہیں اور اسی درمیان آسمان سے چاند ٹوٹ کر ان کے سینے پر گر گیا ہے، انہوں نے اس خواب کا بھی اپنے شوہر سے ذکر کیا تو ان کے شوہر نے کہا کہ اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو میں اب بہت جلد انتقال کر جاؤں گا اور تم میرے بعد حضور ﷺ سے نکاح کرو گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسی دن حضرت سکران بن عمرو بیمار ہوئے اور چند دنوں کے بعد وفات پا گئے۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۱/۱۹۹، طبقات ابن سعد:۱۰/۵۷، شرح الزرقانی:۴/۳۷۸)

حضرت سودہ سخاوت و فیاضی میں نمایاں وصف کی حامل تھیں، ایک دفعہ حضرت عمر نے ان کی خدمت میں دراہم سے بھری ہوئی ایک تھیلی بھیجی، انہوں نے لانے والے سے پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ وہ بولا کہ اس میں دراہم ہیں، حضرت سودہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ کھجوروں کی طرح تھیلی میں دراہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہکر اسی وقت تمام دراہم کو تقسیم کر دیا۔

(طبقات ابن سعد:۱۰/۵۵، الاصابہ:۸/۱۹۷)

ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت سودہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی زوجیت میں رہنے کے لئے اپنی باری کی بھی قربانی دیدی۔ (شرح الزرقانی:۴/۳۷۹)

حضرت سودہ کا انتقال صحیح قول کے مطابق حضرت عمر کی خلافت کے آخری دور میں ۲۳ھ ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا۔ (شرح الزرقانی:۴/۳۸۱، سیرۃ المصطفی:۳/۲۸۳)

حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق

آپ ﷺ کی تیسری بیوی کا نام عائشہ ہے، ان کے والد کا نام عبداللہ بن عثمان اور والدہ

کا نام زینب بنت عامر ہے۔ (شرح الزرقانی:۴/۳۸۱، الاصابہ:۸/۲۳۱)

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ عبداللہ کی کنیت ابوبکر، عثمان کی کنیت ابوقحافہ اور زینب کی کنیت ام رُومان ہے، اور یہ تینوں اپنے اصل نام کے بجائے اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔

(طبقات ابن سعد:۳/۱۵۵، الاستیعاب:رقم:۲۸۴۵ص۷۷۹، شرح الزرقانی:۴/۳۸۱)

حضرت عائشہ کی پیدائش صحیح قول کے مطابق نبوت کے پانچویں سال شوال کے مہینہ میں ہوئی، آپ ﷺ سے ان کا نکاح نبوت کے دسویں سال ہجرت سے ۳/سال پہلے شوال کے مہینہ میں ہوا، اس وقت حضرت عائشہ کی عمر ۶/سال تھی، پھر جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو اسی سال ہجرت کے ۷/ماہ بعد شوال کے مہینہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۹/سال تھی اور آپ ﷺ کی عمر ۵۳/سال تھی، ۹/سال تک آپ ﷺ کی صحبت میں رہیں اور آپ ﷺ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت حضرت عائشہ ۱۸/سال کی تھیں۔

(سیرت عائشہ:۲۲، الاصابہ:۸/۲۳۱-۲۳۳، شرح الزرقانی:۴/۳۸۲-۳۸۸، فتح الباری، مناقب الانصار:۷/۲۲۵، سبل الہدی والرشاد:۱۱/۱۶۴، طبقات ابن سعد:۱۰/۵۷-۸۰، سیرت النبی:۲/۶۹۹)

حضرت عائشہ تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ قرآن، حدیث اور فقہ کا علم رکھنے والی تھیں، آپ کی فقاہت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحابۂ کرام کو اگر دین کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تو وہ حضرت عائشہ سے سوال کرتے تھے۔ (سیرت عائشہ بتصرف:۱۶۴)

حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے تمام ازواجِ مطہرات پر دس چیزوں کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے (۱) حضور ﷺ نے میرے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے شادی نہیں کی (۲) میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کے ماں باپ دونوں مُهَاجِرْ (ہجرت کرنے والے) ہوں (۳) اللہ تعالیٰ نے میری پاک دامنی کے سلسلہ میں قرآن مجید میں آیات نازل فرمائیں (۴) حضرت جبریل نے ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لاکر (تین دنوں تک خواب میں) آپ ﷺ کو دکھایا اور آپ ﷺ سے کہا کہ آپ اس سے شادی کر لیجئے (۵) میں اور حضور ﷺ ایک ہی برتن سے پانی لے کر غسل کیا کرتے تھے، میرے علاوہ کسی دوسری بیوی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا (۶) حضورِ اقدس ﷺ نماز تہجد پڑھتے تھے اور

میں آپ ﷺ کے آگے سوئی رہتی تھی، اُمہات المؤمنین میں سے کوئی بھی حضور ﷺ کی اس محبت سے سرفراز نہیں ہوئی (۷) میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک ہی لحاف میں سوئی ہوئی رہتی تھی اوراسی درمیان آپ ﷺ پر خدا کی وحی نازل ہوا کرتی تھی، یہ اعزاز بھی میرے علاوہ رسول اکرم ﷺ کی کسی دوسری بیوی کو حاصل نہیں ہوا (۸) آپ ﷺ کی وفات کے وقت میں آپ کو اپنی گود میں لئے ہوئے بیٹھی تھی اور آپ ﷺ کا سر انور میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا، اور اسی حالت میں آپ کا وصال ہوا (۹) حضور ﷺ نے میری باری کے دن وفات پائی (۱۰) حضورِ اقدس ﷺ کی قبر انور خاص میرے گھر میں بنی۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۱/۱۷۷، زرقانی:۳/۳۲۳، طبقات ابن سعد:۱۰/۶۴)

حضرت عائشہ آپ ﷺ کے حسن و جمال کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

فَلَوا سَمِعُوا فی مِصْرَ أَوْصافَ خَدِّهٖ لَما بَذَلُوا فی سَوْمِ یُوسُفَ مِنْ نَقْدٖ

لَواحِی زُلَیخا لَو رَأَیْنَ جَبِیْنَهٗ لَآثَرْنَ بِقَطْعِ الْقُلُوبِ عَلی الْأَیْدِیْ

ترجمہ: اگر مصر کے لوگ آپ ﷺ کے حسن کی شہرت سن لیتے؛ تو حضرت یوسف کی خریداری میں اپنا مال خرچ نہیں کرتے، اور اگر زلیخا کی سہیلیاں آپ ﷺ کی پیشانی کا نور دیکھ لیتیں؛ تو اپنا ہاتھ کاٹنے کے بجائے اپنے دلوں کے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں۔ (سیرت امہات المومنین:۳۶۹)

حضرت عائشہ کا انتقال صحیح قول کے مطابق ۶۷/سال کی عمر میں ۵۸ھ، ۱۷/رمضان المبارک، مطابق ۱۳/جون ۶۷۸ء منگل کی رات میں نماز وتر کے بعد ہوا، حضرت أبُوهُرَیْرَہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ کے مشہور قبرستان ''بَقِیْع'' میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(شرح الزرقانی:۴/۳۹۲، سبل الہدی والرشاد:۱۱/۱۸۲، سیرت عائشہ:۱۴۷، سیرت النبی:۲/۲۰۰)

حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب

آپ ﷺ کی چوتھی بیوی کا نام حفصہ ہے، ان کے والد کا نام عمر بن خطاب اور والدہ کا نام زینب بنت مَظْعُون ہے۔ (طبقات ابن سعد:۱۰/۸۰، الاصابہ:۸/۸۵، شرح الزرقانی:۴/۳۹۳)

حضرت حفصہ کی پہلی شادی حضرت خُنَیْس بن حُذافَۃ سَهْمِی سے ہوئی، میاں بیوی دونوں شروع میں ہی مسلمان ہوگئے اور ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے، اس کے بعد پھر ہجرت

کر کے مدینہ چلے گئے، حضرت خنیس جنگ بدر میں زخمی ہوئے اور اسی زخم کی تاب نہ لا کر غزوۂ احد کے بعد ہجرت کے تیسرے سال (یہی قول صحیح ہے: الاصابہ: ۸/۸۶) انتقال فرما گئے۔

جب حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو ان کے والد حضرت عمر کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی، اسی زمانہ میں حضرت عثمان کی بیوی حضرت رقیہ کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے حضرت عمر حضرت عثمان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی، انہوں نے کہا کہ میں اس پر غور کروں گا، چند دنوں کے بعد پھر ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا ہوں، اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر صدیق سے اس کا ذکر کیا، حضرت ابو بکر خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا، حضرت عمر کو حضرت ابو بکر پر حضرت عثمان سے زیادہ غصہ آیا۔

پھر جب کچھ دنوں کے بعد خود حضور ﷺ نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی اور آپ سے نکاح ہو گیا، نکاح کے بعد جب حضرت عمر کی حضرت ابو بکر سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا کہ جب آپ نے مجھ سے حفصہ کے متعلق بات کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تو شاید آپ کو ناگوار گزرا ہوگا؟ حضرت عمر نے کہا کہ ہاں! مجھے ناگوار گزرا تھا، حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ میں نے اس لئے جواب نہیں دیا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ سے نکاح کرنے کا تذکرہ میرے سامنے کیا تھا اور میں آپ ﷺ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر رسول اللہ ﷺ کا ان سے نکاح کا ارادہ نہ ہوتا تو میں اس نکاح کے لیے تیار ہو جاتا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: الاصابہ: ۸/۸۵، طبقات ابن سعد: ۱۰/۸۱، شرح الزرقانی: ۴/۳۹۳، سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۱۸۴، الاستیعاب: رقم: ۳۳۵۸، ص ۸۸۲، عیون الاثر: ۲/۳۹۵)

حضرت حفصہ بہت ہی بلند ہمت اور سخاوت شعار خاتون تھیں، حق گوئی، حاضر جوابی اور فہم وفراست میں اپنے والد بزرگوار کا مزاج پایا تھا، کثرت سے روزہ رکھتی تھیں، تلاوت قرآن اور دوسری عبادتوں میں ہر وقت مصروف رہا کرتی تھیں۔ (سیرت امہات المومنین: ۵۳۸)

صحیح قول کے مطابق حضرت حفصہ کا انتقال ۶۳ سال کی عمر میں ۴۵ھ ماہ شعبان میں ہوا، مروان بن حکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ''بَقِیْع'' میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۱۸۶، شرح الزرقانی: ۴/۳۹۵، الاصابہ: ۸/۸۷)

حضرت زینب بنت خزیمہ

آپ ﷺ کی پانچویں بیوی کا نام زینب ہے، ان کے والد کا نام خُزَیمہ بن حارِث اور والدہ کا نام ہِنْد بنت عَوف ہے۔ (شرح الزرقانی:۴/۴۱۶، عیون الاثر:۲/۳۹۶)

حضرت زینب بہت رحم دل اور نرم مزاج تھیں، بیواؤں اور مسکینوں کی خوب مدد کرتی تھیں اوران پر خوب خرچ کیا کرتی تھیں، اسی وجہ سے لوگ آپ کو ’’ام المساکین‘‘ کہا کرتے تھے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد:۱۱/۲۰۵، سیرت ابن ہشام:۴/۲۹۴)

صحیح قول کے مطابق آپ کا پہلا نکاح حضرت عبداللہ بن جَحْش سے ہوا، جب وہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تو آپ ﷺ نے ۳ھ رمضان المبارک کے مہینہ میں ان سے نکاح کرلیا، نکاح کے بعد صحیح قول کے مطابق صرف ۸/ماہ زندہ رہیں اور ۴ھ ربیع الاول کے مہینہ میں ان کا انتقال ہوگیا، اس وقت ان کی عمر صرف ۳۰/سال تھی، آپ ﷺ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ کے مشہور قبرستان ’’بَقِیْعْ‘‘ میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(شرح الزرقانی:۴/۴۱۶۔۴۱۸، سبل الہدیٰ والرشاد:۱۱/۲۰۶، الاصابہ:۸/۱۵۷، عیون الاثر:۲/۳۹۶)

حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان

آپ ﷺ کی چھٹی بیوی کا نام ام حبیبہ ہے، جن کا اصل نام صحیح قول کے مطابق رَمْلَہ اور کنیت ام حبیبہ ہے، حبیبہ آپ کی بیٹی کا نام ہے جو آپ کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش سے پیدا ہوئی تھی، اسی کے نام پر آپ نے اپنی کنیت ’’ام حبیبہ‘‘ رکھ لی اور اسی سے آپ زیادہ مشہور ہوئیں۔ (شرح الزرقانی:۴/۴۰۳، الاصابہ:۸/۱۴۰)

آپ کے والد کا نام ابوسفیان (اصل نام صَخْرْ ہے) بن حَرب ہے اور والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص ہے۔ (شرح الزرقانی:۴/۴۰۳، الاصابہ:۸/۱۴۰، طبقات ابن سعد:۱۰/۹۴)

آپ کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا، دونوں آغاز نبوت ہی میں مسلمان ہوگئے اور ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے، وہاں جاکر عبید اللہ نصرانی ہوگیا اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا، آپ ﷺ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ کو حبشہ کے بادشاہ

نجاشی کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ اگر ام حبیبہ مجھ سے شادی کرنے کے لئے راضی ہو جائیں تو تم میرا وکیل بن کر ان سے میرا نکاح پڑھا دینا، چنانچہ عمرو بن امیہ نجاشی کے پاس آئے اور آپ ﷺ کا پیغام نجاشی کو سنایا۔

نجاشی نے حضرت ام حبیبہ سے مشورہ کیا تو وہ راضی ہو گئیں، اور خالد بن سعید کو اپنا وکیل بنا کر نجاشی کے پاس بھیجدیا، جب خالد بن سعید نجاشی کے دربار میں آئے تو نجاشی نے حضرت جعفر اور دیگر صحابۂ کرام کو جمع کیا اور آپ ﷺ کا ام حبیبہ سے نکاح پڑھا دیا، اس وقت حضرت ام حبیبہ کی عمر ۳۷ رسال تھی۔

(شرح الزرقانی: ۴۰۴/۴، سبل الہدی والرشاد: ۱۹۳/۱۱، الاصابہ: ۱۴۰/۸، طبقات ابن سعد: ۹۴/۱۰)

حضرت ام حبیبہ کا انتقال صحیح قول کے مطابق ۴۴ھ میں ہوا۔ شرح الزرقانی: ۴۰۹/۴)

حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ

آپ ﷺ کی ساتویں بیوی کا نام ام سَلَمہ ہے، جن کا اصل نام ہِنْد ہے، اور کنیت ام سَلَمہ ہے جو آپ کے بیٹے سَلَمہ کے نام پر ہے اور آپ کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں، والد کا نام سہیل (کنیت ابو امیہ) بن مغیرہ اور والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر ہے۔

(شرح الزرقانی: ۳۹۶/۴، الاصابہ: ۴۰۴/۸، طبقات ابن سعد: ۸۵/۱۰)

حضرت ام سلمہ کا پہلا نکاح ان کے چچا زاد بھائی عبد اللہ بن عبد الأسَد سے ہوا جو اپنی کنیت أبو سَلَمہ سے مشہور ہیں، دونوں میاں بیوی آغازِ نبوت ہی میں مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، پھر وہاں سے مکہ آگئے، لیکن مکہ میں قریش کے ظلم وستم کو دیکھ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱۸۷/۱۱، شرح الزرقانی: ۳۹۶/۴، طبقات ابن سعد: ۸۵/۱۰)

حضرت ام سلمہ کی ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ جانا چاہتی تھی، لیکن ان کے گھر والوں (بنو مغیرہ) نے ام سلمہ کو جانے نہیں دیا، اس کے بعد حضرت ابو سلمہ بیوی اور بچے کو چھوڑ کر تنہا مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے، جب ابو سلمہ کے گھر والوں (بنو عبد الاسد)

کو پورا واقعہ معلوم ہوا تو وہ لوگ آئے اور ابوسلمہ کے بیٹے سَلَمَہ کو جو اس وقت نہایت چھوٹے تھے ام سلمہ سے چھین کر لے گئے، اس طرح ام سلمہ اپنے شوہر اور بیٹے دونوں سے جدا ہوگئیں۔

(الاصابہ: ۴۰۴/۸، شرح الزرقانی: ۳۹۷/۴، سیرت امہات المومنین: ۵٦۳)

حضرت ام سلمہ ان دونوں کی جدائی کے غم میں روزانہ اپنے گھر سے کسی میدان میں نکل جاتی اور شام تک وہیں بیٹھ کر روتی رہتی تھی، اسی طرح پورا ایک سال گذر گیا، ایک دن ان کے ایک چچازاد بھائی کو ان کے حال پر رحم آیا اور اس نے ام سلمہ کے گھر والوں سے ام سلمہ پر رحم کرنے اور ان کو مدینہ بھیجنے کی اجازت مانگی، بالآخر ان کے گھر والے راضی ہوگئے، جب بنوعبد الاسد کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سلمہ کو واپس کردیا، چنانچہ حضرت ام سلمہ اپنے بیٹے کے ساتھ تنہا مدینہ کے لئے روانہ ہوگئی، مکہ سے کچھ دور جانے کے بعد ایک مقام پر ابوسلمہ کے دوست عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے جب ام سلمہ کو تنہا دیکھا تو آپ کے ساتھ ہوگئے اور حفاظت کے ساتھ آپ کو مدینہ پہنچا دیا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: الاصابہ: ۴۰۴/۸، شرح الزرقانی: ۳۹۷/۴، سیرت امہات المومنین: ۵٦۳)

حضرت ام سلمہ کے شوہر کو غزوۂ احد میں بہت گہرا زخم لگا، جس کی وجہ سے غزوۂ احد کے چند مہینوں کے بعد ان کا انتقال ہوگیا، اس وقت حضرت ام سلمہ امید سے تھیں، وضع حمل اور عدت پوری ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا، حضرت ام سلمہ نے اس کے جواب میں اپنا تین عذر بیان کیا (۱) میں بہت غیرت مند (رشک کرنے والی) عورت ہوں (۲) میرے پاس بال بچے ہیں (۳) مدینہ میں میرا کوئی ولی نہیں ہے جو آپ سے میرا نکاح کرادے، آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ (۱) میں اللہ تعالی سے دعا کروں گا کہ تمہاری غیرت ختم ہوجائے (۲) اللہ اور اس کا رسول تمہارے بچے کی حفاظت کرے گا (۳) تمہارا کوئی بھی ولی اس رشتہ کو ناپسند نہیں کرے گا، اس کے بعد حضرت ام سلمہ راضی ہوگئیں اور آپ ﷺ سے ان کا نکاح ہوگیا۔

(شرح الزرقانی: ۳۹۸/۴۔۴۰۰، سبل الہدی والرشاد: ۱۸۸/۱۱، الاصابہ: ۴۰۵/۸، طبقات ابن سعد: ۸۸/۱۰)

حضرت ام سلمہ کو قرآن، حدیث اور فقہ میں مہارت حاصل تھی، مسائل سیکھنے کا بہت شوق تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خوب اہتمام کرتی تھیں، زہد وتقوی اور اخلاق ومروت کے اعتبار

سے بھی ممتاز حیثیت کی مالک تھیں اور ہر وقت ثواب کی متلاشی رہتی تھیں۔ (سیرت امہات المومنین: ۶۲۵)

حضرت ام سلمہ کا انتقال صحیح قول کے مطابق ۸۴/سال کی عمر میں ۵۹ھ میں ہوا، بعض نے ۶۰ھ، ۶۱ھ اور ۶۲ھ کو بھی راجح قرار دیا ہے، حضرت ابو ہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں آپ کو دفن کیا گیا، ازواج مطہرات میں سب سے اخیر میں انہیں کا انتقال ہوا تھا۔

(شرح الزرقانی: ۴/۴۰۲، سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۱/۱۹۱، الاصابہ: ۸/۴۰۶)

فائدہ: حضرت ام سلمہ کو ان کے پہلے شوہر (ابو سلمہ) سے صحیح قول کے مطابق دولڑکے (سَلَمہ اور عمر) اور دو لڑکیاں (زینب اور دُرَّہ) کل ۴/اولاد تھیں۔

(شرح الزرقانی: ۴/۳۹۷، سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۱/۱۸۷، ۱۹۱، تلقیح فہوم اہل الاثر: ۲۳)

حضرت زینب بنت جحش

آپ ﷺ کی آٹھویں بیوی کا نام زینب ہے، ان کے والد کا نام جَحْش بن رِیاب اور والدہ کا نام اُمَیمہ بنت عبد المطلب ہے۔ (شرح الزرقانی: ۴/۴۰۹، طبقات ابن سعد: ۱۰/۹۸)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب کا اصلی نام بَرّہ تھا، ایک خاص مصلحت کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کا نام زینب رکھ دیا۔ (شرح الزرقانی: ۴/۴۱۲)

یہ آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اس لئے آپ ﷺ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کر دیا، لیکن دونوں کا مزاج نہیں مل سکا اور طلاق ہوگئی، عدت کے بعد آپ ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا، حضرت زینب نے کہا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں مشورہ نہ کر لوں، اس کے بعد نماز میں مشغول ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! اگر میں آپ ﷺ کے لائق ہوں تو میرا نکاح اپنے رسول سے کر دیجئے، اللہ رب العزت نے آپ کی دعا قبول کی اور وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو بتلا دیا کہ میں نے آپ کی شادی حضرت زینب سے کر دی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے زینب کو یہ پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا نکاح میرے ساتھ آسمان پر کر دیا ہے، یہ خوش خبری سن کر حضرت زینب سجدہ ریز ہوگئیں اور اس طرح آپ ﷺ سے ان کا نکاح ہوگیا، اس وقت حضرت زینب کی عمر ۳۵/سال تھی۔

(طبقات ابن سعد: ۱۰/۹۹، شرح الزرقانی: ۴/۴۱۰، الاستیعاب: ۹۰۷، سیرۃ المصطفیٰ: ۳/۲۹۳)

ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت زینب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کا نکاح ان کے گھر والوں نے نہیں کرایا بلکہ اللہ تعالی نے ان کا نکاح کرایا اور اس سلسلہ میں قرآن مجید میں آیات بھی نازل کیں، اسی لئے حضرت زینب بسا اوقات آپ ﷺ کے سامنے اور کبھی کبھی ازواج مطہرات کے سامنے اس عظیم فضیلت کا اظہار بھی کیا کرتی تھیں۔

(طبقات ابن سعد: ۱۰/۱۰۰، شرح الزرقانی: ۴/۴۱۱، الاصابہ: ۸/۱۵۴، عیون الاثر: ۲/۳۹۸)

حضرت عائشہ آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ وہ دیندار، پرہیز گار، سچ بولنے والی، صلہ رحمی کرنے والی اور خوب صدقہ کرنے والی عورت تھی۔ (الاستیعاب: رقم: ۳۳۲۵، ص ۹۰۷)

آپ کا انتقال صحیح قول کے مطابق ۵۳ر سال کی عمر میں سنہ ۲۰ھ میں ہوا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے آپ ہی کا انتقال ہوا، حضرت عمر بن خطاب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور "بَقِیْعْ" میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(شرح الزرقانی: ۴/۴۱۵، الاستیعاب: رقم: ۳۳۲۵، ص ۹۰۷)

حضرت جویریہ بنت حارث

آپ ﷺ کی نویں بیوی کا نام جُویرِیَہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ ان کا اصلی نام بَرّہ تھا، ایک خاص مصلحت کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کا نام جویریہ رکھ دیا، ان کے والد کا نام حارث بن اَبی ضِرار ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۴/۲۹۳، شرح الزرقانی: ۴/۴۲۷، الاصابہ: ۸/۷۷)

آپ کا پہلا نکاح مُسافِعْ بن صَفْوان سے ہوا، جو غزوۂ مُرَیْسِیْع میں کفر کی حالت میں مارا گیا اور اسی غزوہ میں حضرت جویریہ قید ہو کر آئیں، جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو حضرت جویریہ حضرت ثابت بن قَیس کے حصہ میں آئیں، انہوں نے حضرت جویریہ کو ۹ر اوقیہ سونا (۳۶۰ درہم) کے بدلہ میں مکاتب بنا دیا۔ (مکاتب کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنے غلام یا باندی سے کہے کہ اگر تم اتنا مال دوگے تو آزاد ہو جاؤ گے)

چوں کہ یہ رقم بہت زیادہ تھی اس لئے حضرت جویریہ آپ ﷺ کی خدمت میں مدد مانگنے کے واسطے آئیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ میں وہ ساری رقم دیکر تمہیں آزاد کر دوں اور تم سے نکاح کرلوں؟ حضرت جویریہ اس پر راضی ہو گئیں، چنانچہ آپ ﷺ نے وہ

رقم ادا کردی اور ان سے نکاح کرلیا، اس وقت حضرت جویریہ کی عمر ۲۰/سال تھی، جب صحابۂ کرام کو اس نکاح کا علم ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کے رشتہ کا احترام کرتے ہوئے بنوالمُصطلِق کے ۶۰۰/افراد پر مشتمل ۲۰۰/گھرانے کو آزاد کردیا، جو غزوہ مُریسیع میں گرفتار ہوئے تھے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: شرح الزرقانی:۴/۴۲۴۔۴۲۶، سبل الہدی والرشاد:۱۱/۲۱۰، طبقات ابن سعد:۱۰/۱۱۳، الاستیعاب: رقم:۳۲۴۲، ص ۸۸۰، عیون الاثر:۲/۳۹۸)

آپ کا انتقال صحیح قول کے مطابق ۷۰/سال کی عمر میں ۵۰ھ میں ربیع الاول کے مہینہ میں ہوا، مَروان بن الحکم نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور "بَقِیْعْ" میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۱/۲۱۱، شرح الزرقانی:۴/۴۲۸، طبقات ابن سعد:۱۰/۱۱۶)

حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب

آپ ﷺ کی دسویں بیوی کا نام صَفِیّہ ہے، ان کے والد کا نام حُیَیّ بن أخْطَب اور والدہ کا نام ضَرّہ بنت سَمَوْأَلْ ہے، بعض کتابوں میں والدہ کا نام بَرّہ لکھا ہوا ہے۔

(شرح الزرقانی:۴/۴۲۸، طبقات ابن سعد:۱۰/۱۱۶، عیون الاثر:۲/۴۰۱)

بعض کا خیال ہے کہ حضرت صفیہ کا اصلی نام زینب تھا، چوں کہ آپ ﷺ نے ان کو اپنے لئے منتخب کرلیا تھا، اس لئے ان کا نام صفیہ ہوگیا، لیکن صحیح اور اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ صفیّہ ان کا اصلی نام ہے۔ (شرح الزرقانی:۳/۲۷۱)

حضرت صفیہ کا پہلا نکاح سَلّام بن مِشْکَمْ سے ہوا، جب انہوں نے طلاق دیدیا تو اس کے بعد کِنانَہ بن رَبِیع بن أبی الْحُقَیق سے آپ کا نکاح ہوا، کنانہ غزوۂ خیبر میں کفر کی حالت میں مارا گیا اور حضرت صفیہ گرفتار ہوئیں۔ (سبل الہدی والرشاد:۱۱/۲۱۲، شرح الزرقانی:۴/۴۲۹)

مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے مشہور صحابی حضرت دِحْیَہ کَلْبی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور ایک باندی کی درخواست کی، آپ ﷺ نے چند باندیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں سے ایک باندی اپنے لئے منتخب کرلو، حضرت دحیہ کلبی نے حضرت صفیہ کو پسند کرلیا، یہ صورت حال دیکھ کر بعض صحابۂ کرام نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! صفیہ اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہے، اس لئے صفیہ کو آپ اپنے پاس رکھ لیجئے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت

دحیہ کلبی کو دوسری باندی دیدی اور حضرت صفیہ کو اپنی ملکیت میں رکھ لیا۔

(شرح الزرقانی:۴/۴۲۹،سبل الہدی والرشاد:۱۱/۲۱۲)

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت صفیہ سے کہا کہ اگر تم اپنے قبیلہ والوں کے پاس جانے کو پسند کرتی ہو تو چلی جاؤ، اور اگر تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ میں تمہیں آزاد کر کے تم سے شادی کرلوں تو تمہیں اس کا بھی اختیار ہے، حضرت صفیہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ میں آپ کی زوجیت میں رہنے کو پسند کرتی ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا۔

(طبقات ابن سعد:۱۰/۱۱۹، البدایہ والنہایہ:۴/۲۱۶،شرح الزرقانی:۴/۴۳۳)

حضرت صفیہ آپ ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں، جب آپ ﷺ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو حضرت صفیہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کاش کہ یہ تکلیف مجھے ہو جاتی اور آپ اس بیماری سے بچ جاتے، یہ سن کر ازواج مطہرات ایک دوسرے کو کنکھیوں سے اشارہ کرنے لگیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صفیہ سچ بول رہی ہیں۔ (شرح الزرقانی:۴/۴۳۵)

آپ کا انتقال ۶۰ رسال کی عمر میں صحیح قول کے مطابق ۵۰ھ میں حضرت معاویہ کے زمانہ میں ہوا اور "بَقِیْع" میں آپ کو دفن کیا گیا۔ (شرح الزرقانی:۴/۴۳۶)

حضرت میمونہ بنت حارث

آپ ﷺ کی گیارہویں بیوی کا نام مَیمُونَہ ہے، ان کے والد کا نام حارث بن حَزْنْ اور والدہ کا نام ھِنْد بنت عَوف ہے۔ (شرح الزرقانی:۴/۴۱۸، الاستیعاب:۹۳۶)

آپ کا پہلا نکاح حضرت مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی سے ہوا لیکن انہوں نے کسی وجہ سے آپ کو طلاق دیدیا، اس کے بعد آپ کا دوسرا نکاح کن سے ہوا؟ اس میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے، مشہور قول یہ ہے کہ ان کے بعد آپ کا نکاح أبُو رُھْم بن عبد العزّی سے ہوا، جب أبُو رُھْم ۷ھ میں انتقال کر گئے تو میمونہ سے آپ ﷺ نے نکاح کرلیا۔

(تلقیح فہوم اہل الاثر:۲۵،شرح الزرقانی:۴/۴۲۲،عیون الاثر:۲/۴۰۲)

حضرت میمونہ بہت زیادہ عبادت گذار تھیں، اکثر اوقات نماز پڑھنے میں مشغول رہتی تھیں، مسواک کا خوب اہتمام کرتی تھیں اور گھر کا کام کاج بھی خود کرتی تھیں، امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر میں بھی آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا، اسی وجہ سے شریعت کے خلاف اگر کوئی شخص کام کرتا تھا تو آپ فوراً تنبیہ کیا کرتی تھیں۔ (سیرت امہات المؤمنین: ۲۸۴، طبقات ابن سعد: ۱۰/۱۳۴)

حضرت عائشہ آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ میمونہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھی۔ (شرح الزرقانی: ۴/۴۲۴)

آپ کا انتقال صحیح قول کے مطابق ۵۱ھ میں مقام سَرِف میں ہوا، یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ ﷺ کا حضرت میمونہ سے نکاح ہوا تھا، نیز اسی مقام پر رخصتی (ملاقات) بھی ہوئی تھی، حضرت عبداللہ بن عباس نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مقام سَرِف ہی میں آپ کو دفن کردیا گیا۔ (شرح الزرقانی: ۴/۴۲۳، الاستیعاب: ۹۳۸، تلقیح فہوم اہل الاثر: ۲۵، نقوش پائے مصطفیٰ: ۲۱۵)

فائدہ: مسجد حرام سے شمال کی جانب تقریباً ۱۳ ارکلومیٹر کے فاصلہ پر مقام تَنعیم کے بعد مقام سَرِف واقع ہے۔ (نقوش پائے مصطفیٰ: ۲۱۵، ۲۱۶)

دوسری فصل: رسول اکرم ﷺ کی باندیاں

مشہور قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی چار باندیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں (۱) حضرت ماریہ قبطیہ (۲) حضرت رَیحانہ (۳) حضرت نَفیسہ (۴) حضرت رَزِینہ۔

(عیون الاثر: ۲/۴۰۵، المواہب مع الزرقانی: ۴/۴۵۸-۴۶۳)

حضرت ماریہ کا مختصر تعارف

حضرت ماریہ کو اسکندریہ اور مصر کے بادشاہ مُقَوقِس نے ۷ھ میں آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا، ان کے والد کا نام شَمعُون ہے اور یہ آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ماں ہیں، مسجد نبوی سے کافی دوران کے لئے آپ ﷺ نے ایک گھر بنوایا تھا جس میں حضرت ماریہ حضرت ابراہیم کی پرورش کیا کرتی تھیں، حضور اکرم ﷺ کبھی کبھی ان کے پاس تشریف لے جاتے اور ابراہیم کو پیار دلار کر کے واپس آجاتے تھے، حضرت ماریہ کا انتقال ۱۶ھ میں ہوا، حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی اور "بَقِیع" میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۱/۲۱۹، شرح الزرقانی: ۴/۴۵۹، الاصابہ: ۸/۳۱۰، الاستیعاب: ۹۳۹)

حضرت رَیحانہ کا مختصر تعارف

حضرت ریحانہ کے والد کا نام زید بن عمرو ہے، بعض کتابوں میں ان کے والد کا نام شمعون اور دادا کا نام زید لکھا ہوا ہے، ان کا تعلق جمہور مؤرخین کے بقول بنی قریظہ سے تھا اور یہ غزوۂ بنی قریظہ میں قید ہو کر آئی تھیں، آپ ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا تو وہ مسلمان ہو گئیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے نکاح کیا یا ان کو اپنی ملکیت میں رکھا؟ اس میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے، زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی ملکیت میں رہنے کو پسند کیا اور زندگی بھر آپ ﷺ کی باندی بن کر رہی، لیکن بعض کتابوں میں اس کے برعکس اس بات کو صحیح قرار دیا گیا ہے کہ پہلے وہ آپ ﷺ کی ملکیت میں تھی، پھر ان کو آزاد کر کے آپ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا، ان کا انتقال سنہ ۱۰ھ میں ہوا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: ۲۲۰/۱۱، سیرت ابن ہشام: ۱۹۴/۳، شرح الزرقانی: ۴۶۲/۴، ۸۸/۳، الاستیعاب: ۹۰۴، الاصابہ: ۱۴۶/۸، سیرت النبی: ۲۹۹/۱)

حضرت نُفیسہ کا مختصر تعارف

یہ حضرت زینب بنت جحش کی باندی تھیں، ایک بار حضرت زینب نے حضرت صفیہ کو یہودیہ کہہ دیا اس لئے آپ ﷺ ان سے ناراض ہو گئے، جب راضی ہوئے تو حضرت زینب نے یہ باندی آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے پیش کی۔ (الاصابہ: ۳۳۷/۸)

حضرت رَزِینہ کا مختصر تعارف

چوتھی باندی کے حالات سیرت کی کتابوں میں تلاش بسیار کے باوجود راقم الحروف کو نہیں مل سکے، ان کے متعلق صرف اتنا منقول ہے کہ یہ کسی جنگ میں قید ہو کر آئی تھی اور کافی خوب صورت تھی، ازواج مطہرات کو یہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ رسول اکرم ﷺ ہم سے زیادہ اس باندی کو پسند نہ کرنے لگیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: ۲۱۹/۱۱، اصح السیر)

چھٹا باب

رسول اکرم ﷺ کی اولاد اور بھائی بہن

پہلی فصل: رسول اکرم ﷺ کے صاحبزادگان

صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے صرف تین صاحبزادگان تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) حضرت قاسم (۲) حضرت عبداللہ (۳) حضرت ابراہیم، ان میں سے حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ کے بطن سے اور حضرت ابراہیم آپ ﷺ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (طبقات ابن سعد:۶/۳، جمہرۃ انساب العرب:۱۶، سبل الہدی والرشاد:۱۶/۱۱، شرح الزرقانی:۳۱۴/۴۔۳۱۶، سیرۃ المصطفی:۳۳۶/۳، سیرت النبی:۱۱/۲۷)

حضرت قاسم کا مختصر تعارف

علماء کا اس بابت اتفاق ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور سب سے پہلے انہیں کا انتقال ہوا، لیکن تاریخ ولادت اور تاریخ وفات میں کافی اختلاف ہے، معتبر قول یہ ہے کہ نبوت سے ۱۱/سال پہلے پیدا ہوئے اور صرف ۱۷/ماہ یا دو سال تک زندہ رہے، اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا، آپ ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' انہیں کے نام پر ہے۔

(سبل الہدی والرشاد:۱۹/۱۱، شرح الزرقانی:۳۱۶/۴، سیرت النبی:۱۷/۲۷)

حضرت عبداللہ کا مختصر تعارف

یہ آپ ﷺ کے دوسرے صاحبزادے ہیں، انہیں کا لقب ''طیّب'' اور ''طاہر'' ہے، چوں کہ حضرت عبداللہ نبوت کے بعد پیدا ہوئے تھے اس لئے آپ ﷺ کی جانب سے ان کو ''طیّب'' کہا جاتا تھا اور ان کی والدہ حضرت خدیجہ کا لقب ''طاہرہ'' تھا اس لئے ان کی جانب سے حضرت عبداللہ کو ''طاہر'' کا لقب ملا ہوا تھا، آپ صرف چند ماہ زندہ رہ کر انتقال فرماگئے، کفار و مشرکین آپ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو طعنہ دینے لگے اور کہنے لگے کہ محمد أَبْتَـرْ ہیں (یعنی ان کی نسل ختم ہوگئی، اب ان کا نام لینے والا کوئی نہیں رہا) تو کفار کے اس خیال کی اللہ تعالی نے تردید کی اور سورۂ کوثر نازل

فرمائی، جس میں اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو حوضِ کوثر کی بشارت دی اور کفار ومشرکین کو ابتر قرار دیا۔

(شرح الزرقانی: ۳۴۴/۴، رحمۃ للعالمین: ۳۵۳/۲، معارف القرآن: ۸۲۸/۸)

حضرت ابراہیم کا مختصر تعارف

حضرت ابراہیم آپ ﷺ کے تیسرے صاحبزادے اور آپ ﷺ کی آخری اولاد ہیں، یہ آپ ﷺ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے، جب آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع نے آپ ﷺ کو ابراہیم کی ولادت کی خبر سنائی تو آپ ﷺ بے حد خوش ہوئے اور ان کو ایک غلام بطور انعام کے عطا کیا، ساتویں دن ابراہیم کا عقیقہ کیا اور دو مینڈھے ذبح کیے، پھر ابراہیم کے بال کے برابر آپ ﷺ نے چاندی صدقہ کیا اور ان کا نام ابراہیم رکھا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۲۱/۱۱، شرح الزرقانی: ۳۴۵/۴)

آپ ﷺ حضرت ابراہیم کو اپنی گود میں رکھتے تھے اور ان کو چومتے تھے، حضرت ابراہیم کا بھی بچپن ہی میں انتقال ہوگیا، ان کے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے آپ ﷺ ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور ان کو اپنی گود میں لیا، اس کے بعد آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا کہ اے ابراہیم! اللہ تعالی کے حکم کے سامنے ہم تیرے کام نہیں آسکتے ہیں، پھر جب ابراہیم کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابراہیم! ہم جانتے ہیں کہ موت برحق ہے اور یہ اللہ تعالی کا سچا وعدہ ہے، بے شک جو لوگ زندہ ہیں وہ بھی ایک نہ ایک دن ضرور مرجائیں گے، اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تیری موت پر اس سے زیادہ غمگین ہوتا، اے ابراہیم! تیری جدائی سے ہم غمگین ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہے، دل غمزدہ ہے، لیکن اس حالت میں بھی میں اپنی زبان سے ایسی بات نہیں کہوں گا جس سے اللہ تعالی ناراض ہوجائیں۔

(سبل الہدی والرشاد: ۲۲/۱۱، ۲۳، شرح الزرقانی: ۳۴۸/۴)

جس دن حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا، اسی دن سورج گہن ہوا، اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ سورج اور چاند گہن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے، چنانچہ کچھ صحابۂ کرام کہنے لگے کہ سورج گہن ابراہیم کی موت کی وجہ سے ہوا ہے، آپ ﷺ کو جب یہ صورت حال معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند گہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ دونوں

اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے،لہذا جب تم سورج یا چاند گہن دیکھو تو نماز پڑھو۔(سبل الہدی والرشاد:۱۱/۲۴،شرح الزرقانی:۴/۳۵۱)

فائدہ: قاضی سلیمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق حضرت ابراہیم ہجرت کے نویں سال جمادی الاولی کے مہینہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸/ماہ کے بعد ہجرت کے دسویں سال ۲۹/شوال کو انتقال کر گئے۔(رحمۃ للعالمین:۲/۳۵۵)

دوسری فصل: رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادیاں

صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی صرف چار صاحبزادیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں(۱)سیدہ زینب(۲)سیدہ رُقَیَّہ(۳)سیدہ ام کلثوم(۴)سیدہ فاطمہ،یہ چاروں صاحبزادیاں رسول اکرم ﷺ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

(المواہب مع الزرقانی:۴/۳۱۶،عیون الاثر:۲/۳۷۸،طبقات ابن سعد:۳/۶،جمہرۃ انساب العرب:۱۶)

سیدہ زینب کا مختصر تعارف

سیدہ زینب آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں جو نبوت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں،آپ ﷺ نے ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے کردی،حضرت زینب شروع زمانہ میں ہی مسلمان ہوگئیں لیکن ابوالعاص ایمان نہیں لائے،جنگ بدر میں جب ابوالعاص قید ہوئے تو سیدہ زینب نے ابوالعاص کو چھڑانے کے لئے فدیہ کے طور پر اپنا وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ نے شادی کے وقت سیدہ زینب کو دی تھی،جب آپ ﷺ نے وہ ہار دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور صحابۂ کرام کے مشورہ سے ابوالعاص کو بغیر کسی عوض کے اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ مکہ جاکر سیدہ زینب کو مدینہ بھیجدیں گے،چنانچہ ابوالعاص مکہ آئے اور سیدہ زینب کو اپنے بھائی کِنانہ بن ربیع کے ساتھ مدینہ روانہ کردیا،راستہ میں ہَبّار بن اسود نے سیدہ زینب کا تعاقب کیا اور ان کی اونٹنی کو ایک نیزہ مارا جس کی وجہ سے سیدہ زینب نیچے گر گئیں،چوں کہ اس وقت وہ امید سے تھیں اس لئے ان کا حمل ضائع ہوگیا،بالآخر بڑی مشقت اور تکلیف کی حالت میں سیدہ زینب ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں،ہجرت کے چھٹے سال ابوالعاص نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ نے سیدہ زینب کو ابوالعاص کے ساتھ رہنے کی اجازت

دیدی، لیکن اس کے بعد سیدہ زینب زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہیں اور صحیح قول کے مطابق ہجرت کے آٹھویں سال کے شروع میں سیدہ زینب کا انتقال ہو گیا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: سبل الہدیٰ والرشاد: ۲۹/۱۱، شرح الزرقانی: ۳۱۸/۴، طبقات ابن سعد: ۳۱/۱۰، الاستیعاب: رقم: ۳۳۲۳، ص ۹۰۵، تلقیح فہوم اہل الاثر: ۳۱، الاصابہ: ۱۵۲/۸)

فائدہ: سیدہ زینب کے بطن سے ایک بیٹا حضرت علی اور ایک بیٹی سیدہ اُمامہ پیدا ہوئیں۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۳۱/۱۱، شرح الزرقانی: ۳۲۱/۴، سیرت النبی: ۱۳۷/۲)

سیدہ رُقیّہ کا مختصر تعارف

سیدہ رقیہ آپ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں جو سیدہ زینب کی پیدائش کے ۳/سال بعد نبوت سے ۷/سال پہلے پیدا ہوئیں، اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۳۳/سال تھی، سیدہ رقیہ کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا مگر رخصتی نہیں ہوئی، جب سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تو ابولہب نے عتبہ سے کہا کہ "محمد کی بیٹی کو طلاق دیدو، ورنہ تمہارے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا حرام ہوگا"، باپ کی دھمکی سن کر عتبہ نے سیدہ رقیہ کو طلاق دیدیا، اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے ہوا، دونوں میاں بیوی میں خوب محبت تھی حتی کہ مکہ والے کہا کرتے تھے کہ عثمان اور رقیہ کی جوڑی سب سے اچھی جوڑی ہے، دونوں شروع زمانہ میں ہی مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہ دونوں بھی مدینہ آ گئے، غزوۂ بدر کے موقع سے سیدہ رقیہ سخت بیمار ہو گئیں، آپ ﷺ نے ان کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمان بن عفان اور اسامہ بن زید کو سیدہ رقیہ کے پاس رہنے کا حکم دیا اور خود جنگ بدر کے لئے تشریف لے گئے، جس دن غزوۂ بدر سے واپسی ہوئی اسی دن سیدہ رقیہ کا انتقال ہو گیا، اس وقت سیدہ رقیہ کی عمر ۲۱/سال تھی۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: سبل الہدیٰ والرشاد: ۳۳/۱۱، شرح الزرقانی: ۳۲۲/۴، طبقات ابن سعد: ۳۶/۱۰، الاصابہ: ۱۳۸/۸، رحمۃ للعالمین: ۳۶۱/۲، الاستیعاب: رقم: ۳۳۰۴، ص ۸۹۹)

فائدہ: سیدہ رقیہ کے بطن سے صرف ایک بیٹا عبداللہ پیدا ہو۔ (الاصابہ: ۱۳۸/۸)

سیدہ ام کلثوم کا مختصر تعارف

سیدہ ام کلثوم آپ ﷺ کی تیسری صاحبزادی ہیں جو سیدہ زینب کی پیدائش کے ۴/سال

بعد نبوت سے ۶/سال پہلے پیدا ہوئیں، اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۳۴/سال تھی، سیدہ ام کلثوم کا پہلا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عُتَیبہ سے ہوا مگر رخصتی نہیں ہوئی، جب سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تو ابولہب کے کہنے پر عُتَیبہ نے سیدہ ام کلثوم کو طلاق دیدیا، ہجرت کے دوسرے سال جب سیدہ رقیہ کا انتقال ہوگیا تو ہجرت کے تیسرے سال ربیع الاول کے مہینہ میں آپ ﷺ نے سیدہ ام کلثوم کی شادی حضرت عثمان بن عفان سے کردی، شادی کے بعد ۶/سال زندہ رہیں اور ہجرت کے نویں سال شعبان کے مہینہ میں وفات پاگئیں، اس وقت ان کی عمر تقریباً ۲۸/سال تھی۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۳۶، شرح الزرقانی: ۴/۳۲۵، طبقات ابن سعد: ۱۰/۳۷، الاصابہ: ۸/۴۶۰)

سیدہ فاطمہ کا مختصر تعارف

سیدہ فاطمہ آپ ﷺ کی چوتھی اور سب سے چھوٹی بیٹی ہیں جو صحیح قول کے مطابق نبوت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں، اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۳۵/سال تھی اور لوگ خانۂ کعبہ کی نئی تعمیر میں مشغول تھے، ہجرت کے دوسرے سال آپ ﷺ نے ان کی شادی حضرت علی بن ابی طالب سے کردی، اس وقت حضرت علی کی عمر صحیح قول کے مطابق ۲۴/سال اور سیدہ فاطمہ کی عمر ۱۹/سال تھی۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۳۷، شرح الزرقانی: ۴/۳۳۱، ۳۳۳، الاصابہ: ۸/۲۶۳، سیرت النبی: ۲/۲۱۵)

رسول اکرم ﷺ کو سیدہ فاطمہ سے بیحد محبت تھی، چنانچہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ سفر کے لئے روانہ ہوتے تو سب سے اخیر میں سیدہ فاطمہ سے ملتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہ ہی سے ملاقات فرماتے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۴۴)

سیدہ فاطمہ بھی اپنے والد سے بے انتہا محبت کرتی تھیں، حضرت عائشہ باپ بیٹی کی اس بے مثال محبت کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کے مشابہ بات چیت میں فاطمہ سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں تھا، جب فاطمہ باپ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ ان کو بوسہ دیتے اور ان کو مرحبا (خوش آمدید) کہتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے پاس بیٹھاتے، اسی طرح جب آپ ﷺ اپنی بیٹی کے پاس جاتے تو فاطمہ بھی یہی کرتی تھیں۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۴۴)

سیدہ فاطمہ کی فضیلت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اپنے جگر کا ٹکڑا

اور جنت کی عورتوں کا سردار کہا ہے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۴۵، ۴۶، الاصابہ: ۸/۲۶۵)

صحیح قول کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے ۶ر مہینہ بعد ہجرت کے گیارہویں سال ۳ر رمضان المبارک منگل کی رات میں سیدہ فاطمہ کا انتقال ہوا، اس وقت سیدہ فاطمہ کی عمر ۲۹ر سال تھی۔ (شرح الزرقانی: ۴/۳۳۶، رحمۃ للعالمین: ۲/۳۶۴، الاصابہ: ۸/۲۶۸)

فائدہ: سیدہ فاطمہ کے بطن سے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، جن کے نام یہ ہیں: حضرت حَسَن، حضرت حسین، حضرت مُحَسِّن، سیدہ ام کلثوم، سیدہ زینب۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۵۱، شرح الزرقانی: ۴/۳۳۹، جمہرۃ انساب العرب: ۱۶)

بعض مؤرخین نے صاحبزادیوں میں سیدہ رقیہ کا اضافہ کیا ہے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۵۱)

اور ان کے بقول ان کا انتقال نہایت صغر سنی کی حالت میں ہو گیا تھا۔ (رحمۃ للعالمین: ۲/۳۶۶)

تیسری فصل: رسول اکرم ﷺ کے نواسے

صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے پانچ نواسے تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) حضرت حَسَن بن علی (۲) حضرت حسین بن علی (۳) حضرت مُحَسِّن بن علی (۴) حضرت عبداللہ بن عثمان (۵) حضرت علی بن ابی العاص۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۳۱، ۳۵، ۵۱، شرح الزرقانی: ۴/۳۲۱-۳۳۹، جمہرۃ انساب العرب: ۱۵، ۱۶)

حضرت حَسَن کا مختصر تعارف

صحیح قول کے مطابق ہجرت کے تیسرے سال رمضان کی ۱۵ر تاریخ کو آپ کی ولادت ہوئی، آپ ﷺ نے ان کا نام حَسَن رکھا، آپکی فضیلت اس سے عیاں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں اللہ تعالی سے دعا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اے اللہ! میں حسن سے محبت کرتا ہوں، لہذا آپ بھی ان سے محبت کیجئے اور جو لوگ حسن سے محبت کرتے ہیں ان سے بھی آپ محبت کیجئے، صحیح قول کے مطابق ۸ر محرم الحرام ۴۵ھ روز سنیچر کو حضرت حسن کی وفات ہوئی۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۶۴، الاصابہ: ۲/۶۰ تا ۶۵، الاستیعاب: رقم: ۲/۵۷، ص: ۱۷۹)

حضرت حُسَین کا مختصر تعارف

صحیح قول کے مطابق ہجرت کے چوتھے سال ۵ر شعبان کو آپ پیدا ہوئے، آپ ﷺ نے

ان کا نام حُسَین رکھا، آپ کی فضیلت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو اور حضرت حسن کو جنت کے نوجوانوں کا سردار کہا ہے، جمہور کے بقول ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ روز جمعہ کو آپ شہید ہوئے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۷۱، الاصابہ: ۲/۶۷ تا ۷۲، الاستیعاب: ۱۸۴)

حضرت محسن بن علی کا مختصر تعارف

آپ ناقص الخِلقَت (جس بچہ کے اعضاء مکمل نہ بنے ہوں) پیدا ہوئے تھے، اس لئے آپ کا انتقال نہایت صغرسنی کی حالت میں ہوگیا، حضرت علی نے ان کا نام حَرْب رکھا، لیکن آپ ﷺ نے ان کا نام مُحَسِّن رکھا۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۵۱، ۵۵، شرح الزرقانی: ۴/۳۳۹)

حضرت عبداللہ کا مختصر تعارف

حضرت عبداللہ حبشہ میں قیام کے دوران حضرت رقیہ کے بطن سے پیدا ہوئے، اور اپنی والدہ کی وفات کے بعد صرف ۲/سال زندہ رہے اور ۶/سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا، انتقال کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کے قریب چونچ ماری جس کی وجہ سے آنکھ میں زخم ہوگیا اور اسی زخم کی تاب نہ لا کر آپ انتقال فرما گئے۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۳۵، رحمۃ للعالمین: ۲/۳۶۲)

حضرت علی کا مختصر تعارف

حضرت علی سیدہ زینب کے بطن سے پیدا ہوئے اور مشہور روایت کے مطابق ان کا انتقال سنِ بلوغ کے قریب ہوگیا۔ (سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۳۱، شرح الزرقانی: ۴/۳۲۱، سیرت النبی: ۲/۱۳۷)

چوتھی فصل: رسول اکرم ﷺ کی نواسیاں

صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی تین نواسیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں (۱) سیدہ امامہ بنت ابی العاص (۲) سیدہ ام کلثوم بنت علی (۳) سیدہ زینب بنت علی۔

(المواہب مع الزرقانی: ۴/۳۲۱، ۳۳۹، سبل الہدی والرشاد: ۱۱/۳۱، ۵۱، جمہرۃ انساب العرب: ۱۵، ۱۶)

سیدہ امامہ کا مختصر تعارف

سیدہ امامہ سیدہ زینب کے بطن سے پیدا ہوئیں، ان کا نکاح سیدہ فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی بن ابی طالب سے اور حضرت علی کی وفات کے بعد مغیرہ بن نوفل سے ہوا اور انہیں

کی زوجیت میں رہتے ہوئے سیدہ اُمامہ کا انتقال ہوا۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳۱/۱۱، شرح الزرقانی: ۳۲۱/۴، سیرت النبی: ۱۳۷/۲، سیرۃ المصطفی: ۳۳۷/۳)

سیدہ ام کلثوم کا مختصر تعارف

سیدہ ام کلثوم حضرت فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئیں، آپ کا پہلا نکاح عمر بن خطاب سے ہوا، ان کی وفات کے بعد عون بن جعفر بن ابی طالب سے، ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر سے، پھر ان کی وفات کے بعد ان دونوں کے بھائی عبداللہ بن جعفر سے آپ کا نکاح ہوا اور انہیں کی زوجیت میں رہتے ہوئے آپ کا انتقال ہوا۔ (المواہب مع الزرقانی: ۳۳۹/۴۔۳۴۲)

سیدہ زینب کا مختصر تعارف

سیدہ زینب بھی حضرت فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئیں، آپ کا نکاح سیدہ ام کلثوم کی وفات کے بعد عبداللہ بن جعفر سے، ان کی وفات کے بعد قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا اور انہیں کی زوجیت میں رہتے ہوئے آپ کا انتقال ہوا۔ (المواہب مع الزرقانی: ۳۳۹/۴۔۳۴۲)

پانچویں فصل: رسول اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی

آپ ﷺ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اس لئے آپ ﷺ کا نہ تو کوئی حقیقی بھائی تھا اور نہ ہی کوئی حقیقی بہن تھی، البتہ صحیح قول کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے پانچ رضاعی بھائی تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) حضرت مَسرُوح (۲) حضرت حمزہ (۳) حضرت ابوسَلَمہ (۴) حضرت عبد اللہ بن حارث (۵) حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳۷۵/۱۔۳۸۰، طبقات ابن سعد: ۸۷/۱۔۹۰)

حضرت مَسرُوح کا مختصر تعارف

یہ حضرت ثویبہ کے لڑکے ہیں، مشہور سیرت نگار امام حلبی کی تحقیق کے مطابق انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور ان کا انتقال حضرت ثویبہ سے پہلے ہوا۔

(رسول اکرم کی رضاعی مائیں: ۴۱، ۷۷، الاصابہ: ۶۱/۸)

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کا مختصر تعارف

یہ آپ ﷺ کے چچا اور رضاعی بھائی بھی ہیں؛ کیوں کہ حضرت ثویبہ نے آپ ﷺ سے

پہلے ان کو دودھ پلایا تھا، آپ کو سید الشہداء اور اسد اللہ کا لقب ملا ہوا ہے، ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ احد میں حضرت وَحشی بن حَرب (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے نہایت دردناک طریقہ سے آپ کو شہید کر دیا، اس وقت حضرت حمزہ کی عمر ۵۹ رسال تھی۔ (الاستیعاب: ۱۳۵)

حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد کا مختصر تعارف

آپ کا نام عبد اللہ بن عبد الاسد اور کنیت ابو سلمہ ہے، شروع زمانہ میں ہی مسلمان ہو کر اپنی بیوی حضرت ام سلمہ (ام المومنین) کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، آپ ﷺ کو دودھ پلانے کے بعد حضرت ثُویبَہ نے ان کو بھی دودھ پلایا اس لئے یہ بھی آپ ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں، صحیح قول کے مطابق ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ احد میں آپ شہید ہوئے۔ (الاستیعاب: ۴۱۷)

حضرت عبد اللہ بن حارث کا مختصر تعارف

یہ حضرت حارث کے صاحبزادے ہیں جو حضرت حلیمہ کے بطن سے پیدا ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ (سیرت کا انسائیکلو پیڈیا، مکتبہ دار السلام: ۱۴۴/۲)

حضرت ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب کا مختصر تعارف

یہ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور رضاعی بھائی بھی ہیں؛ کیوں کہ حضرت حلیمہ نے ان کو بھی دودھ پلایا ہے، فتح مکہ کے موقع سے یہ مسلمان ہوئے اور سنہ ۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(الاستیعاب: رقم: ۲۹۶۵، ص: ۸۱۱، شرح الزرقانی: ۳۹۹/۳)

چھٹی فصل: رسول اکرم ﷺ کی رضاعی بہنیں

رسول اکرم ﷺ کی دو رضاعی بہنیں تھیں (۱) حضرت اُنیسَہ بنت حارث (۲) حضرت شَیماء بنت حارث۔ (طبقات ابن سعد: ۹۰/۱، جمہرۃ انساب العرب: ۲۶۵)

حضرت اُنیسَہ کا مختصر تعارف

یہ حضرت حلیمہ کی صاحبزادی ہیں، ان کے حالات سیرت کی کتابوں میں مذکور نہیں ہیں۔

(رسول اکرم کی رضاعی مائیں: ۱۰۳)

حضرت شَیماء کا مختصر تعارف

یہ بھی حضرت حلیمہ کی صاحبزادی ہیں، ان کا اصل نام شیماء ہے، لیکن حُـذافـہ کے نام سے مشہور ہیں، یہ حضرت حلیمہ کے ساتھ مل کر آپ ﷺ کی پرورش کیا کرتی تھیں۔

جنگ حنین میں قیدیوں کے ساتھ یہ بھی قید ہو کر آئیں، انھوں آپ ﷺ سے کہا کہ میں آپ کی بہن شَیْمَاء ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی کیا نشانی ہے کہ تم ہی میری بہن شَیْمَاء ہو؟ حضرت شَیْـمَـاء نے کہا کہ آپ ایک مرتبہ میری گود میں کھیل رہے تھے اور آپ نے میری پشت پر دانت کاٹ لیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے انکو پہچان لیا اور اپنی چادر مبارک ان کے لئے بچھا کر ان کو اس پر بٹھایا، اور خوب انعام و اکرام کے ساتھ ان کو روانہ کیا، اس کے بعد حضرت شَیْمَاء مسلمان ہو گئیں۔ واضح رہے کہ بعض کتابوں میں شَیْـماء کا نام خِذامہ اور جُذامہ لکھا ہوا ہے یہ صریح غلطی ہے، صحیح تلفظ حُذافہ ہے۔

(سبل الہدی والرشاد: ۱/۳۸۰، الاستیعاب: ۹۱۶، ۸۸۷، رسول اکرم کی رضاعی مائیں)

اہم مصادر و مراجع

کتاب کی ترتیب میں درج ذیل عربی و اردو کتابوں سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے:
۱۔السیرۃ النبویہ: محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی (ف ۱۵۱ھ)، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان
۲۔السیرۃ النبویہ: ابو محمد عبد الملک بن ہشام (ف ۲۱۳ھ)، دار الکتاب العربی، بیروت
۳۔الطبقات الکبیر (طبقات ابن سعد) محمد بن سعد الزہری (ف ۲۳۰ھ)، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ
۴۔تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (ف ۳۱۰ھ)، دار النوادر، کویت
۵۔جمہرۃ انساب العرب، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (ف ۴۵۶ھ) دار المعارف
۶۔دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعۃ: ابو بکر احمد بن حسین البیہقی (ف ۴۵۸ھ)، بیروت لبنان
۷۔الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر قرطبی (ف ۴۶۳ھ)، دار الاعلام اردن
۸۔الرّوض الأُنف فی تفسیر السیرۃ النبویہ: ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی (ف ۵۸۱ھ)، بیروت لبنان
۹۔تلقیح فہوم اہل الاثر: ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی (ف ۵۹۷ھ) دار ارقم، بیروت لبنان
۱۰۔عیون الاثر: ابو الفتح محمد بن محمد سید الناس یعمری (ف ۷۳۴ھ) دار ابن کثیر، دمشق بیروت
۱۱۔زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر دمشقی (ف ۷۵۱ھ)، مؤسسۃ الرسالہ
۱۲۔البدایہ والنہایہ (تاریخ ابن کثیر) ابو الفداء اسماعیل بن کثیر (ف ۷۷۴ھ) دار ابن کثیر، دمشق بیروت
۱۳۔الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول: ابو الفداء اسماعیل بن کثیر (ف ۷۷۴ھ)، دار المعارف، مصر
۱۴۔الاصابہ فی تمییز الصحابہ: احمد بن علی حجر عسقلانی (ف ۸۵۲ھ)، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان
۱۵۔فتح الباری شرح بخاری: احمد بن علی حجر عسقلانی (ف ۸۵۲ھ)، دار المعرفہ، بیروت لبنان
۱۶۔المواہب اللدُنّیہ بالمنح المحمدیہ: احمد بن محمد قسطلانی (ف ۹۲۳ھ)، المکتب الاسلامی، بیروت
۱۷۔سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: محمد بن یوسف صالحی شامی (ف ۹۴۲ھ) بیروت لبنان
۱۸۔شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ: ابو عبد اللہ محمد الزرقانی بن عبد الباقی (ف ۱۱۲۲ھ) بیروت لبنان
۱۹۔رحمۃ للعالمین: قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، مرکز الحرمین الاسلامی، پاکستان
۲۰۔سیرت النبی: علامہ شبلی نعمانی، مکتبہ اسلامیہ، پاکستان

۲۱۔ سیرت مصطفیٰ: مولانا محمد ادریس کاندھلوی، کتب خانہ مظہری، پاکستان
۲۲۔ نقوش پائے مصطفیٰ: ابو محمد عبد المالک مجاہد
۲۳۔ پیام سیرت: فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، سید سلیمان ندوی ریسرچ سینٹر لکھنؤ
۲۴۔ مختصر سیرت نبوی: فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، المعہد العالی حیدر آباد
۲۵۔ سیرت عائشہ: علامہ سید سلیمان ندوی، مکتبۃ الحق ماڈرن جوگیشوری ممبئی
۲۶۔ سیرت امہات المؤمنین: مولانا محمد عبد المعبود، مکتبہ رحمانیہ لاہور، پاکستان
۲۷۔ جدید سیرت النبی: مولانا اسحاق ملتانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، پاکستان
۲۸۔ رسول اکرم کی رضاعی مائیں: پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی، مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھجن یوپی
۲۹۔ محاضرات سیرت: ڈاکٹر محمود احمد غازی، مکتبہ فیصل لاہور پاکستان
۳۰۔ اصح السیر، حکیم ابو البرکات عبد الرؤف قادری، دار الکتاب دیوبند
۳۱۔ تبلیغی جماعت حقائق اور غلط فہمیاں، مفتی محمد ابو بکر جابر قاسمی، مکتبہ اتحاد دیوبند
۳۲۔ خصائل مصطفیٰ، مفتی سلیمان قاسمی خوشحالپوری، مکتبہ حمیدیہ دیوبند

اللہ تعالی کے فضل و کرم سے کتاب مکمل ہوگئی، بارگاہ الہی میں سربسجود ہو کر دعا گو ہوں کہ وہ بندہ کی خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کرتے ہوئے اس کتاب کو قبولیت سے نوازے، میرے اور میرے اہل وعیال کے لیے اسے توشۂ آخرت بنائے۔

نیز قارئین سے گزارش ہے کہ اس کتاب میں اگر کوئی غلطی دیکھیں، یا کوئی مفید مشورہ دینا چاہیں تو راقم الحروف کو ضرور مطلع فرمائیں، بندہ آپ کا شکر گزار رہے گا۔

مولانا و مفتی رضوان نسیم قاسمی

(فیض پور، عرف گھیورا، روتہٹ، نیپال)

استاذ فقہ و افتاء: معہد الدراسات العلیا، پھلواری شریف پٹنہ

انڈین نمبر (8986305186) نیپالی نمبر (+977.9809191037)